نصیحۃ العلماء

ریاونمود ایک مہلک مرض

اہل مدارس اور علماء ومشائخ کے لئے چند اہم مضامین

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب	نصیحۃ العلماء، ریاونمود ایک مہلک مرض
افادات	حکیم الامت حضرت تھانویؒ
مرتب	محمد زید مظاہری ندوی
صفحات	۱۲۸
تعداد	۱۰۰۰ عدد
سن اشاعت	۱۴۳۹ھ
قیمت	...

ویب سائٹ ....www.alislahonline.com

ملنے کے پتے

دیوبند وسہارنپور کے جملہ کتب خانے
ندوی بکڈپو، ندوہ لکھنؤ
مکتبۃ الفرقان، نظیر آباد لکھنؤ
مکتبہ اشرفیہ، ہردوئی

فہرست

دعائیہ کلمات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹
دعائیہ کلمات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰
مبارک سلسلہ اور سلیقہ کا کام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱
تأثرات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۱
جدت وقدامت کا سنگم، تأثرات حضرت مولانا سید سلمان الحسینی، ندوی ۱۲
عرض مرتب ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳

باب ۱

اخلاص سے متعلق چند آیات قرآنیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲
اخلاص سے متعلق احادیث نبویہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲
ریا سے متعلق احادیث نبویہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲
ریا (دکھلاوا) شرک ہے جو توحید کے منافی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳
ریاکاری شرک کیوں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳
ریاکار کا انجام حدیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵
ریا کی حقیقت اور اس کی تعریف ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶
دینی کاموں میں ریا بھی ارضاءِ خلق کا شعبہ ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۷
ریا وسُمعۃ ایک مہلک مرض اور منافقوں والا عمل ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸
منافقانہ حرکتیں یقیناً بری اور قابل اصلاح ہیں، ایک شبہ اور اس کا جواب ۔ ۳۱
مخلوق کو راضی کرنے کی فکر وکوشش ایک واقعی مرض ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۳
منافقوں والا یہ مرض ہم لوگوں میں بھی موجود ہے جس کا علاج ضروری ہے ۔۔ ۳۴

یہ مرض تقریباً ہم سب میں موجود ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۵
دنیوی تعلقات ومعاملات میں ارضاءِ خلق (مخلوق کو خوش کرنے) کا مرض ۔ ۳۶
دینی امور میں ارضاءِ خلق کا مرض ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۷
یہ حرکت بھی منافقوں والی ہے کہ اگر اپنی مرضی کے مطابق مسئلہ کا جواب ملے تو قبول کریں ورنہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹
رسول سے محبت اور آپ کو راضی کرنے کی وہی کوشش مطلوب اور مقبول ہے جو نبی اور رسول ہونے کے حیثیت سے ہو ورنہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱
منافقین اپنے مطلب اور دنیا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳

باب ۲

مخلوق کو راضی کرنے کے حدود ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵
کون سا ارضاءِ خلق یعنی مخلوق کو راضی کرنا محمود ہے اور کون سا مذموم ۔۔۔۔ ۴۵
حق تعالیٰ کے لئے مخلوق کو راضی کرنا ریا میں داخل نہیں، ریا مذموم کی حقیقت ۴۶
شیخ کو راضی کرنا حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۸
کس نوع کا ارضاءِ خلق (مخلوق کو راضی کرنا) مذموم ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۸
علماء ومشائخ کو خوش کرنے کے حدود ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۹
مشائخ کی تعظیم میں غلو مذموم ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۹
مخلوق کو راضی اور خوش کرنے کی کوشش اگر حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہے تو وہ بھی محمود اور عبادت ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۱
صورتِ ریا ریا نہیں اور وسوسۂ ریا ریا نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۱

ریا کی حقیقت اوراس کا معیار ۵۲
ایک حکایت ۵۲
ایسا ذکر جہری ممنوع ہے جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو ۵۳
لوگوں کی درخواست کی بنا پر قاری صاحب کا خوب بنا سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟ ۵۴
دنیوی غرض سے خالی ہونا بھی اخلاص ہے ۵۵
دوسروں کی فرمائش کی بنا پر قاری کا خوب بنا اور سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟ ۵۶
ضرر اور نقصان سے بچنے کے لئے کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرنا ریا مذموم میں داخل ہے یا نہیں؟ ۵۷
اخلاص اور ریا کا فرق واضح مثال کے ساتھ ۵۸
بیمار کی عیادت کس نیت سے کرنا چاہئے ۵۸
قرّاء اور مظاہرہ قرأت کرنے والوں کے لئے عبرتناک حکایت ۵۹
حق تعالیٰ کے ساتھ ریا ۶۰
ریا کا ایک دقیق شعبہ ۶۱
مخلوق کے لئے عمل کرنا بھی ریا اور ترک کر دینا بھی ریا ہے ۶۱
نفس کو کچلنے کے سلسلہ میں عبرتناک حکایت ۶۲

باب ۳

توحید کے مختلف درجات توحید اعتقادی و توحید قصدی ۶۴
مخلوق کی رضا کو مقصود بنانا شرک ہے اس کا علاج توحید قصدی حاصل کرنا ہے ۶۵
کمزور طبیعت والے مایوس نہ ہوں ۶۵

اپنے لئے کچھ تجویز کرنا یہی بڑی غلطی ہے ۶۶
ارضاءِ خلق اور ریا سے بچنے کا طریقہ ۶۶
حضرت یوشع علیہ السلام اور بلعم باعور کا قصہ ۶۷
ایک اہم قاعدہ ۶۹
پڑھے لکھے لوگوں کی غلطی ۶۹
تاویل وہ کرو جو خدا کے سامنے بیان کرسکو ۷۰
اہل علم و اہل مدارس کے لئے ضروری مضمون ۷۱
تاویل حق کا معیار ۷۲
ایک صحابی کی دعوت کا قصہ ۷۵
ہر اجازت بھی معتبر نہیں، خصوصاً آج کل ۷۷
شہادتِ قلب اور اطمینان قلب کے بغیر کسی کا مال کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں ۷۷
بعض بخیلوں کی حکایتیں ۷۸
ایک اور حکایت ۷۹
کھٹک اور شبہ والی رقم بسا اوقات رزق سے محرومی کا ذریعہ بنتی ہے ... ۸۰
مشتبہ مال کے قبول کرنے اور ذلت والی دعوت سے پرہیز کرنا چاہئے ۸۱
حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت ۸۱
طلبہ گھروں میں دعوتیں کھانے نہ جائیں ۸۲
حضرت تھانویؒ اور ایک انسپکٹر صاحب کا واقعہ ۸۳
ہمارے اکابر ایسے تھے ۸۴
حضرت اقدس تھانویؒ کی احتیاط و تقویٰ ۸۵
مولویوں میں تاویل کا مرض ۸۷

اہل مدارس کے لئے ایک عبرتناک حکایت ۸۸
ایک عالم ربّانی کی حکایت ۸۹
مدرسہ مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے ۹۰
حضرت مولانا گنگوہیؒ کی حکایت ۹۰
ثمرات مقصود نہیں صرف رضائے حق مقصود ہے ۹۱
مدرسہ اور طلبہ کی کثرت مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے ۹۱
چندہ کم ہونے یا مدرسہ ٹوٹ جانے کا خیال دل سے نکال دیجئے ۹۴
علماء و مشائخ کو تنبیہ ۹۴
مجمع بڑھانے کی فکر نہ کیجئے ۹۵
نگراں، مربّی اور شیخ کے لئے نہایت اہم ضروری ہدایت ۹۷
اپنے بڑوں سے رائے اور مشورہ لینے کی ضرورت ۹۸
مشائخ اور اہل مدارس اور واعظین و مقررین کو تنبیہ ۹۹
سب سے زیادہ ضرورت علماء و مشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے ۱۰۰
شیخ شمس الدین اور شاہ ابو علی قلندر کا واقعہ ۱۰۱

باب ۴

اخلاص کی ضرورت و اہمیت اور اس کی صحیح حقیقت ۱۰۳
علم حاصل کرنے میں اخلاص کی ضرورت ۱۰۴
اگر اخلاص نہ ہو تب بھی نہ علم چھوڑو نہ عمل ۱۰۴
اخلاص کی ضرورت عقلی نقطۂ نظر سے ۱۰۷
اخلاص پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں لیکن اس کے لئے فکر و طلب اور کوشش ضروری ہے ۱۰۸

اخلاص کیسے پیدا ہو؟ ۱۱۰
اخلاص پیدا کرنے کے طریقے ۱۱۰
اخلاص کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکایت ۱۱۰
مخلصین سے محبت اور ان کی صحبت اختیار کیجئے آپ کے اندر بھی اخلاص پیدا ہو جائے گا ۱۱۱
اخلاص کے سلسلہ میں دو بزرگوں کی حکایتیں ۱۱۱
حاتم اصم کی حکایت ۱۱۲
عمل میں اخلاص نہ ہونے میں خواص و عوام کی کوتاہی ۱۱۳
اہل باطن کا اخلاص ۱۱۷
حق تعالیٰ کا ذکر کرنے میں اخلاص ۱۱۷

باب ۵

ریا سے متعلق چند مکاتیب ۱۱۸
ریا کی حقیقت ۱۱۸
ریا کے احتمال اور وسوسہ کی بنا پر عمل کو نہ چھوڑیں ۱۱۸
ریا کی حقیقت اور اس کے دو درجے ۱۱۹
ریا کی حقیقت اور اس کے ازالہ کا طریقہ ۱۲۲
کون سی ریا اور دکھلاوا مذموم ہے؟ ۱۲۲
اپنے عمل کو زیادہ چھپانے کا اہتمام بھی ریا میں داخل ہے ۱۲۳
یہ اخلاص نہیں شیطان کا دھوکہ ہے ۱۲۴
ریا کے ہونے نہ ہونے کا ایک معیار ۱۲۵

دعائیہ کلمات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارك الله في حياته وفي افادته) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پارہے ہیں۔ **اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خيرا.**

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانۂ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلی مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں، آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ
خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

مبارک سلسلہ اور سلیقے کا کام

رائے عالی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے تعلق اور ان کے ملفوظات وہدایات کو ان کی افادیت کے پیش نظر مرتب کرنے اور جمع کرنے سے خصوصی دلچسپی عطاء فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کے افادات کو مختلف رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ کام اس سلیقہ سے کیا ہے کہ اس میں تحقیقی وعلمی انداز بھی پایا جاتا ہے اور دینی وتربیتی مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح وارشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیّتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

مولانا زید صاحب نے دینی افادات کا، اصلاح دین کا حامل بہت مفید لٹریچر جمع کر دیا ہے، اصلاح باطن ودرستگیٔ احوال کے لئے یہ انتخاب اور لٹریچر انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مفتی محمد زید صاحب کی یہ علمی کوششیں قابل ستائش ہیں جو ایک طرف تو ایک اچھا علمی کام ہے اور دوسری طرف اس کی دینی واخلاقی افادیت ہے۔

محمد رابع حسنی

جدت وقدامت کا سنگم

اظہار خیال

حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم

عمید کلیۃ الدعوہ والاعلام، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت وقدامت نے انہیں دو آتشہ بنا دیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچا دیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنا دیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم ومعارف کی نسبت سے وہ کسی ’’متخصص‘‘ اور ’’ڈاکٹر‘‘ سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں سے تنکے جمع کر کے ایک آشیانہ تیار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس سعی سعد کو قبولیت سے نوازے، اور مرتب کو علمی موتیوں کی تلاش میں کامیابیوں سے ہمیشہ بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

سلمان حسینی ندوی

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس امت کے لئے دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض شرک ہے، خواہ شرک جلی ہو یا شرک خفی، شرک جلی کا مرتکب تو دائرہ ایمان ہی سے خارج ہوجاتا ہے، البتہ شرک خفی کا مرتکب دائرہ ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اسی کو بتایا ہے اور آپ نے فرمایا: مجھے زیادہ خطرہ تم لوگوں سے شرک خفی کا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک خفی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا، یعنی مخلوق کو دکھلانے اور خوش کرنے کے لئے کوئی کام کرنا (مسند احمد)

یہ وہ خطرناک مہلک بیماری ہے کہ اس کی وجہ سے گردن کٹانے والے مجاہد کا جہاد، رؤسا واغنیاء کا صدقہ وخیرات، قاریوں کی قرأت، واعظین کا وعظ، مدرسین کی تدریس، مقررین کی تقریر سب رائیگاں اور بیکار ہوجاتی ہیں۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن غیر مخلص ریا کار قاری وعالم اور مالدار ومجاہد کو بلا کر اس پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تھیں یاد دلائی جائیں گی، وہ سب تسلیم کرے گا اور کہے گا یا اللہ میں نے تیرے دین کے خاطر گردن کٹادی، قاری کہے گا ہم نے تیرے دین کے خاطر قرآن پاک پڑھا اور پڑھایا، عالم کہے گا میں نے دین سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا، مالدار کہے گا ہم نے تیرے دین کے خاطر خوب مال خرچ کیا، اللہ تعالیٰ سب کے جواب میں فرمائے گا اے مجاہد! بیشک تو نے گردن کٹائی لیکن اس واسطے تاکہ تجھ کو بہادر کہا جائے، قاری سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ سب اس لئے کیا تاکہ تیرا نام ہو اور تجھ کو

بڑا قاری کہا جائے، مالدار سے کہا جائے گا تو نے اس واسطے مال خرچ کیا تاکہ تیری سخاوت کا خوب چرچا ہو، اور تو سخی مشہور ہوجائے، تو دنیا میں سب کو کہا جاچکا، یہاں کیا لینے آئے ہو، فرشتوں کا حکم دیا جائے گا کہ ان سب کو گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حدیث پاک کے راوی ہیں جب اس حدیث پاک کو بیان کرتے تو ان پر ایسی رقّت طاری ہوجاتی جس کی تاب نہ لاسکتے اور بیان کرتے کرتے بے ہوش ہوجاتے، ہوش میں آتے پھر بیان کرتے اور بے ہوش ہوجاتے، بڑی مشکل سے رقت آمیز درد بھری آواز میں اس کو بیان فرمایا جس سے سب کے دل دہل گئے۔ (مسلم شریف باب من قاتل للریاء والسمعۃ ص ۱۴۰، ج ۲، ترمذی شریف باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ عن ابی ہریرۃ ص ۶۳، ج ۲)

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خطرہ وخدشہ کا اظہار فرمایا تھا آج ہم سب اہل مدارس، علماء وقرّاء سب کے لئے بہت ڈرنے کی بات ہے، خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پڑھنے پڑھانے والے، وعظ وتقریر کرنے والے، مدرسوں کے ذمہ دار اور دینی تحریکوں کے چلانے والے اس مرض کا شکار ہوجائیں جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرہ محسوس فرمایا تھا، کیونکہ بہت سے موقعوں میں ظاہر حال سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، مدرسہ کا ناظم ومہتمم اپنی کارگذاری اور کارکردگی لوگوں کے سامنے فخریہ بیان کرتا ہے، بہت سے دعوت وتبلیغ والے اپنے تبلیغی سفر کی روداد اور کارگذاری بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں، دل کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بہت سے قرّاءِ مظاہرۂ قرأت میں ناموری وشہرت یا طلب دنیا کے خاطر لمبے لمبے سفر کر کے ایسے پروگراموں میں شریک ہوکر قرآن پاک پڑھتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقراؤ القرن وأعملوا به، ولا تجُفوا عنه، ولا تغلوا فيه، ولا تأكلوا بهٖ ولاتستكثروا بهٖ.

(مسند احمد، بیہقی، طبرانی، عن عبدالرحمن بن شبل، قال الهيثمی رجال أحمد ثقات، وقال ابن حجر فی الفتح سنده قویّ، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ص: ۸۳ ج ۲)

مطلب یہ کہ قرآن پاک پڑھو اور اس کے احکام پر عمل کرو، اس کی تلاوت ترک کر کے اس سے دوری مت اختیار کرو، اور قرآن پاک کی تلاوت اور قرأت کو دنیا حاصل کرنے اور مال سمیٹنے کا ذریعہ مت بناؤ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن پاک پڑھو لیکن اس کو پیسہ حاصل کرنے اور کمائی کا ذریعہ مت بناؤ، قرآن پڑھ کر مال مت سمیٹو، قرأتِ قرآن کو حصول مال وجاہ کا ذریعہ بنانے سے آپ نے امت کو سختی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ معصیت ہے، لینے اور دینے والے بلکہ ایسے لوگوں کی امداد کرنے اور چندہ دینے والے سب گنہگار رہوں گے، البتہ تعلیم قرآن کے ذریعہ خواہ ناظرہ کی تعلیم ہو یا حفظ کی یا اس کے معانی کی، تعلیمِ قرآن خواہ وہ کسی نوعیت سے ہو اُس کی تنخواہ لینا بلا کراہت جائز ہے۔

الغرض ریا و دکھلاوا اور مخلوق کو خوش کرنے کے لئے یا کسی فاسد غرض سے کوئی دینی کام کرنا گناہ کبیرہ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ مرض آدمی میں ایسے مخفی طریقہ سے سرایت کر جاتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلتا، اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ نے مثال دے کر فرمایا جیسے چیونٹی آہستہ اور خاموشی سے چلتی اور

رینگتی ہے اسی طرح خاموشی سے یہ مرض بھی دینی کام کرنے والوں میں سرایت کر جاتا ہے، اس لئے تمام دینی کام کرنے والوں کو ہمیشہ اپنی نگرانی کی ضرورت ہے، نیز اخلاص پیدا کرنے اور ریا سے بچنے کے لئے دعا کے ساتھ اللہ والوں اور بزرگانِ دین ومشائخ سے اصلاحی ربط رکھنے کی بھی ضرورت ہے، ورنہ خطرہ ہے کہ ہم دینی خدّام کہیں ساری محنت ضائع نہ ہو جائے۔

بخاری شریف اور موطاء کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک مرتبہ اعتکاف کا ارادہ فرمایا چنانچہ آپ کے لئے خیمہ لگا دیا گیا، آپ کی بعض ازواج نے بھی اعتکاف کا ارادہ ظاہر کیا، ان کے لئے بھی خیمہ گاڑ دیا گیا، اس کو دیکھ کر بعض دوسری ازواج کو بھی خیال ہوا کہ میرا بھی خیمہ لگا دیا جائے، ہم بھی اعتکاف کریں گے، چنانچہ کئی خیمے نصب کر دیئے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ ڈھیر سارے خیمے لگے ہوئے ہیں، دریافت کرنے پر صحابہ نے عرض کیا کہ یہ آپ کی ازواج کے لئے اعتکاف کی غرض سے خیمے لگائے گئے ہیں، اس وقت آپ نے ایک جملہ فرمایا: آلبرّ یردن؟ کیا ان سب نے نیکی اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یعنی کیا یہ سب اعتکاف میں مخلص ہیں؟ یا دوسروں کی ریس اور دیکھا دیکھی ارادہ کر لیا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ سارے خیمے اکھاڑ دیئے جائیں! چنانچہ سارے خیمے اکھاڑ دیئے گئے، نہ آپ نے خود اعتکاف فرمایا نہ ازواج کو کرنے دیا، حالانکہ ان میں بعض یقیناً مخلص ہوں گی، اور بعض میں ممکن ہے کہ دیکھا دیکھی یہ خیال پیدا ہوا ہو، آپ اس کو زیادہ سمجھتے تھے، کس کو اجازت دیتے اور کس کو منع کر کے سب کے سامنے اس کی دل شکنی کرتے، اس لئے آپ نے سلسلہ ہی ختم فرما دیا، اور اپنے اس اعتکاف کے بدلہ عید بعد شوال میں

اعتکاف فرمایا۔ (موطاء مالک، باب الاعتکاف)

ہم دینی خدام کے لئے واقعی بہت ڈرنے کی بات ہے کہ شیطان جب امہات المومنین ازواج مطہرات پر اس مہلک مرض کے ذریعہ حملہ کرسکتا ہے تو ہم اور آپ ہر وقت کتنے خطرہ میں ہیں۔

ہمارے تمام دینی خدّام خواہ وہ اہل مدارس واہل خانقاہ ہوں یا واعظین ومقررین اور مبلغین ومدرّسین یا مصنّفین ومولّفین، اسی طرح دینی پروگرام اور دینی جلسہ کرنے والے اور مظاہرہ قرأت کرنے والے نیز مختلف تنظیموں اور تحریکوں کے چلانے والے سب کو اپنے اپنے گریبان میں منھ ڈال کر ہمہ وقت دیکھتے رہنے اور چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے کہ ہم یہ کام کیوں کررہے ہیں، اللہ کی مرضی وخوشنودی اور دین کی ترقی اور امت کے نفع کے لئے یا محض ناموری وشہرت کے لئے یا کسی کی مخالفت وریس میں یا دوسرے اغراض فاسدہ کی وجہ سے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس وقت امت کا یہ سب سے بڑا مرض ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اس وقت اہل مدارس اور علماء کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، مدرسہ والوں نے محض چندہ اور عمارت کو مقصود بنالیا ہے اور اس کے حاصل کرنے میں حلال وحرام کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے، اصل مقصود سے غافل ہیں، آج کل مدارس میں ان ہی سب وجوہات کی بناپر تباہیاں اور سخت حالات آرہے ہیں، اور مزید سخت قسم کے خطرات پیدا ہونے کے اندیشے ہیں، ان سب کا حل اور اصل علاج اپنے اس باطنی مرض کی اصلاح کرنا ہے، جس کی طرف حضرت تھانویؒ نے توجہ دلائی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو بلاشبہ اپنے وقت کے مجدّد ومصلح تھے، آپ

نے اپنے مختلف مواعظ میں دینی کام کرنے والوں کو اس مرض کی طرف سے آگاہ کیا، اور ساتھ ہی اخلاص وریا کی حقیقت، اس کے حدود اور اس سے بچنے کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں، احقر نے حضرت تھانویؒ کے اس نوع کے مضامین آپ کے مواعظ وملفوظات اور تصانیف سے چن چن کر اس مختصر رسالہ میں جمع کئے ہیں۔

یہ مختصر رسالہ تمام اہل علم خصوصاً اہل مدارس کے لئے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

اسی نوع کے دوسرے مضامین بھی احقر نے حضرت تھانویؒ کی تصانیف، مواعظ وملفوظات اور فتاویٰ سے اخذ کرکے ایک دوسرے رسالہ میں جمع کئے ہیں جس کا نام ہے ''دینی مدارس اور علماء کے باہمی اختلافات اور ان کا حل'' جو زیر طبع ہے اور اس کا پہلا حصہ ''امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل''، طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے، ان رسائلِ ثلاثہ کا مطالعہ انشاء اللہ تمام اہل علم واہل مدارس اور اہل تبلیغ کے لئے بہت مفید اور نافع ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

نصیحۃ العلماء

ریا ونمود ایک مہلک مرض

اہل مدارس اور علماء ومشائخ کے لئے چند اہم مضامین

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

باب ۱

اخلاص وریا سے متعلق چند آیات قرآنیہ

(۱) قُلْ اِنِّی اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰہَ مُخْلِصاً لَّہٗ الدِّیْن. (سورہ ص پ ۲۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھوں یعنی اس میں شائبہ شرک کا نہ ہو۔

(بیان القرآن)

(۲) وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاءَ النَّاسَ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطَانَ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَاءَ قَرِیْنًا. (سورہ نساء پ ۵)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن (یعنی قیامت کے دن) پر اعتقاد نہیں رکھتے ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ کو ان سے محبت نہیں اور شیطان جس کا مصاحب ہو جیسا ان لوگوں کا ہوا ہے اس کا برا مصاحب ہے کہ ایسا مشورہ دیتا ہے جس میں انجام کار سخت ضرر ہو۔

(بیان القرآن)

(۳) منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالیٰ یُرَاؤْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا. (سورہ نساء پ ۵)

(منافقین) جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں تاکہ مسلمان سمجھیں، اور چونکہ محض نماز کا نام ہی کرنا ہے اس لئے اس نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت مختصر یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جاوے، اور عجب نہیں کہ صرف اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو۔ (بیان القرآن ص۱۶۷ ج۱)

(۴) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ • الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ • الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآئُوْنَ • وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ • (سورہ ماعون پ۳۰)

(ترجمہ) سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں یعنی ترک کر دیتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو ریاکاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

(بیان القرآن ص۱۲۰ ج۲)

(۵) فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا.

(ترجمہ) جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے، اور ان کا محبوب و مقرب بننا چاہے تو مجھ کو رسول مان کر میری شریعت کے موافق نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

فائدہ: شرک کے عموم میں شرک خفی یعنی ریا کا دخول بھی حدیث سے معلوم ہوا۔

(بیان القرآن ص۱۳۸ ج۱)

اخلاص سے متعلق احادیث نبویہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے دین کو خالص کر لے، تجھے تھوڑا ہی عمل کافی ہے۔ (ترغیب عن الحاکم)

(۲) ایک شخص نے پکار کر دریافت کیا اے رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اخلاص۔ (ترغیب عن البیہقی)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیت ہی کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کے واسطے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (بخاری و مسلم)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بشارت ہے مخلصین کے واسطے کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ہر اندھیرا فتنہ ان کی وجہ سے کھل جاتا ہے (یعنی ختم ہو جاتا ہے) (ترغیب عن البیہقی) (ماخوذ از خطبات الاحکام ص۱۴۵)

ریا سے متعلق احادیث نبویہ

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو مشہور کیا خدا اس کو رسوا کرے گا، اور جو شخص ریاکاری کرے خدا اس کو ریاکاری کا بدلہ اس طرح دے گا کہ اس کی حرکت سب پر ظاہر کر دے گا۔ (متفق علیہ)

(۲) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے شہرت کا لباس دنیا میں پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت کا لباس پہناوے گا۔

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۳) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو

قیامت کے دن جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، خدا کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس شخص نے شرک کیا ہو ایسے عمل میں جس کو کسی نے اللہ کے لئے کیا ہو پس اس کو چاہئے کہ اس کا ثواب بھی غیر اللہ سے طلب کرے (کیونکہ اسی کے واسطے کیا تھا) اللہ تعالیٰ بہت بے پرواہ (یعنی بیزار) ہے شرک سے، بہ نسبت سب شرکاء کے۔ (احمد)

ریا (دکھلاوا) شرک ہے جو توحید کے منافی ہے

محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بڑی خوفناک چیز جس سے میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں شرک اصغر ہے، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ریا۔ (احمد)

(فائدہ) ظاہر ہے کہ ریا کاری میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا البتہ مقصود ضرور ہوتا ہے، جب غیر اللہ کا مقصود ہونا شرک ہوا تو توحید جو شرک کا مقابل ہے اس کی حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ ہی مقصود ہو، غیر اللہ بالکل مقصود نہ ہو، یہی معنی ہیں ''لا مقصود الا اللہ'' کے۔ (فروع الایمان ص۱۱)

ریا کاری شرک کیوں ہے

حدیث میں اس جملہ (وَلَا یُشْرِکُ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَداً) کی تفسیر میں لَا یُرَائِیْ وارد ہوا ہے، یعنی عبادت میں شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ریا نہ کرے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تفسیر گویا حق تعالیٰ کی تفسیر ہے۔

اور آیت میں ریا کو جو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ریا کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کو کسی کے دکھلانے کے واسطے کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ جس کو دکھلانا مقصود ہوتا ہے وہ بھی فی الجملہ عبادت میں مقصود ہے تو اس شخص نے عبادت میں خدا کے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کیا اور یہ شرک فی القصد ہے اس لئے ریا کو حق تعالیٰ نے شرک فرمایا۔ (ارضاء الحق)

حدیث پاک میں **لا یشرک** کی تفسیر **لا یرائی** آئی ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ عبادت میں ریا نہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے، حالانکہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا مگر چونکہ فی الجملہ مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لئے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے اس لئے اس کو شرک فرمایا، اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت جوارح (اعضاء) سے ہوتی ہے اور جب وہ شرک ہے تو قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیوں کر شرک نہ ہوگا، یہ تو قلبی عبادت ہے۔ (وعظ غریب الدنیا ملحقہ دنیا وآخرت ص۱۰۳)

اس (پوری تفصیل) سے معلوم ہوا کہ توحید صرف **لا معبود الا اللّٰہ** کا نام نہیں، یعنی توحید صرف اس کا نام نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھے، بلکہ **لا مقصود الا اللّٰہ** بھی کمالِ توحید ہے، یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو مقصود بھی نہ سمجھے۔ اور جب خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے گا تو اب اس کی کسی پر نظر نہ رہے گی، نہ کسی سے خوف وطمع ہوگی، اور جو شخص ریا کار ہوگا اس کو مخلوق سے امید وہراس بھی ہوگا۔ اور جو ریا سے پاک ہوگا اس کو کسی سے امید وہراس بھی نہ ہوگا کیونکہ اسے غیر حق پر نظر ہی نہ ہوگی جب توحید کامل ہو جاتی ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے رجا وخوف (یعنی امید ولالچ اور ڈر وخوف) نہیں رہتا۔

توحید قصدی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا واحد سمجھے، کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود اور مطلوب نہ بنائے، اس درجہ کا عنوان **لا مقصود الا اللّٰہ** ہے، اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں اور توحید کے اس درجہ کا مقابل شرک قصدی یعنی غیر اللہ کو مطلوب و مقصود بنانا، اور اسی شرک کا ایک فرد ریا بھی ہے، اور توحید کے یہ دونوں درجے مطلوب ہیں۔ (وعظ ارضاء الحق، ملحقہ تسلیم و رضا ص ۱۵۶)

فائدہ: ریا کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کے ذریعہ سے جاہ کی طلب کی جائے۔ (خطبات الاحکام ص ۱۰۸)

ریا کار کا انجام حدیث کی روشنی میں

جو لوگ محض نمائش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں۔ ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں سب سے اول ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا ہوگا۔ اس کو بتلایا جائے گا کہ ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں، وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے تو تم کو یہ یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔ ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو، ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی، بَلْ لِیُقَالَ اِنَّکَ جَرِیٌ۔ بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے۔ فَقَدْ قِیْلَ۔ تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی، جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا، تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ

کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے، پھر ایک بڑے عالم کو بلایا جائے گا، اسی طرح اس سے پوچھا جائے گا کہ کہیے صاحب! آپ نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے یوں وعظ کہے، یوں نصیحتیں کیں، یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔ ارشاد ہوگا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بَلْ لِیُقَالَ اِنَّکَ قَارِیٌ بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں، بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جائیے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں، ذرا غور تو کیجئے حدیث میں یہ آیا ہے کہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے ان سے بھی یہی سوال کیا جائے گا وہ کہے گا کہ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تھا، ارشاد ہوگا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں، بَلْ لِیُقَالَ اِنَّکَ جَوَادٌ بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں، ان کی داد و دہش کا کیا کہنا۔ بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں۔ اگر کوئی اور بھی سخی ہوگا تو فلانے کے برابر نہیں ہوگا۔ فَقَدْ قِیْلَ سو جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا، لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں، چنانچہ اس کو بھی جہنم میں منہ کے بل پھینک دیا جائے گا، تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں، علم دین، سخاوت، شہادت، اب ان سے بڑھ کر اور کونسا عمل ہوگا، لیکن دیکھ لیجئے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا عمل صرف عمل کی صورت ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں۔

(وعظ طریق القلندر ملحقہ حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۲۸۰)

ریا کی حقیقت اور اس کی تعریف

ریا کا حاصل یہ ہے کہ کسی دینی یا دنیوی عمل کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل

کرنے کا ذریعہ بنائے، کبر وعجب وحبِّ جاہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی۔

(کمالات اشرفیہ ص ۱۰۵)

اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہوجاتا ہے اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہوکر بھی عمل مقبول ہوجاتا ہے، خالی الذہن کے معنی یہ ہیں کہ نہ دکھاوے کی نیت ہو نہ خدا کے لئے نیت ہو، اصل ریا دل میں ہوتی ہے، صورتِ ریا جائز ہے۔ (کمالات اشرفیہ ۱۲۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوجگہ خیلا (تفاخر) جائز ہے، ایک صدقہ میں، دوسرے عدودین (یعنی دشمنان اسلام) کے مقابلہ میں۔

فرمایا تعلق فی اللہ والے کی رضا (یعنی جس شخصیت سے اللہ واسطے تعلق ہو اس کی خوشنودی اور رضا) کا قصد اللہ ہی کے رضا کا قصد ہے اور وہ عین اخلاص ہے مثلاً شیخ کو خوش کرنے کے لئے تہجد پڑھنا خلاف اخلاص نہیں (جب کہ بڑا بننے کی غرض سے اور فاسد نیت سے نہ ہو) (کمالات اشرفیہ ص ۱۰۷)

دینی کاموں میں ریا بھی ارضاء خلق کا شعبہ ہے

رضاء خلق کی ایک فرد اور بھی ہے جس کو دین کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اس کا نام ریاء ہے یہ بھی ارضاء خلق ہی کا (یعنی مخلوق کو راضی کرنے کا) ایک شعبہ ہے کیونکہ ریاء کے معنی ہیں مخلوق کو دکھلانے کے لئے کام کرنا اس پر قرآن وحدیث میں سخت وعید وارد ہے حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

أناأغنى الشركاء عن الشرک فمن عمل لی عملا أشرک فيه غيری فانا منه بری وهوللذی أشرک، قلت رواه ابن ماجه واللفظ له ورواته ثقات واخرجه ابن خزيمة فی صحيحه كذافی الترغيب وفيه ايضاعن أبی سعيدبن أبی فضالة مرفوعا إذاجمع الله الأولين والآخرين ليوم القيامة اليوم لاريب فيه نادیٰ مناد من كان أشرک فی عمله لله واحدافليطلب نوابه من عندهٖ فان الله أغنى الشركاء .

(رواہ الترمذی فی التفسیر من جامعہ وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ اھ ص ۱۴۔۱۵)۔

ترجمہ: میں سب سے زیادہ ساجھے سے مستغنی ہوں تو جس نے میرے واسطے کوئی عمل کیا ہو اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا ہو تو میں اس سے بیزار ہوں اور وہ اسی کے لئے ہے جس کو شریک کیا گیا (اور ایک روایت صحیح میں ہے کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس نے اپنے عمل میں جو اللہ کے واسطے کیا تھا کسی غیر کو شریک کیا ہو تو وہ اس کا ثواب اسی سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ شرک سے مستغنی ہیں) خدا تعالیٰ کو ساجھے کی چیز کی ضرورت نہیں، ساجھے کی چیز تو محتاج کو چاہیئے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں، تو یہ ریا سخت چیز ہے اور اس کا منشاء بھی ارضاء خلق ہی ہے (یعنی اس کا سبب مخلوق کو خوش کرنے کا قصد ہے)۔

(وعظ ارضاء خلق ص ۲۷)

ریا وسُمعۃ ایک مہلک مرض اور منافقوں والا عمل ہے

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ. (پ۱۰ سورہ توبہ)

یہ ایک آیت ہے جس میں منافقین کے ایک عمل کا ذکر ہے جس پر ان کو

ملامت و تشنیع کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ عمل قبیح ہوگا اسی لئے تو ملامت و تشنیع کی گئی ہے اس وقت اس کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ اس عمل کو دیکھا جائے کہ ہم میں تو اس کا شائبہ نہیں؟ اگر ہو تو اس کی اصلاح کی جائے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ہم میں اور ان میں کیا نسبت وہ منافق ہیں اور ہم مومن ہیں پھر جو مضمون کافروں ومنافقوں کے متعلق ہے وہ ہم کو کیوں سنایا جاتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اگر ہم میں اس عمل کا شائبہ ہوگا تو ہم منافقوں سے زیادہ ملامت کے مستحق ہوں گے، کیونکہ ہم بہ نسبت ان کے زیادہ مکلّف ہیں وہ تو صرف ایمان کے مکلّف ہیں، فروع کے مکلّف نہیں اور ہم فروع کے بھی مکلّف ہیں تو ہم میں اگر منافقین کے عمل کا شائبہ ہوا تو ہم اس وجہ خاص سے زیادہ ملامت و تشنیع کے مستحق ہوں گے۔

ہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اگر ہم منافقوں کا سا کوئی عمل کریں تو ہم میں وہ عمل اس درجہ کا نہ ہوگا جس درجہ کا منافقین میں ہوگا، کیونکہ ان کے عمل کی بناء نفاق وکفر ہوگی اور ہمارے عمل کی یہ بناء نہ ہوگی، مثلاً ترک صلوٰۃ کی بناء منافقین میں نفاق وکفر ہے کہ وہ فرضیتِ صلوٰۃ ہی کے منکر ہیں اور کوئی مسلمان نماز نہ پڑھے تو اس کے عمل کا منشاء کفر نہ ہوگا اس کی بناء کسی عقیدہ فاسدہ پر نہ ہوگی، بلکہ اس کا منشا مومن میں صرف کسل ہوگا یا اس کے مثل اور کوئی وجہ ہوگی مگر اس فرق کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کو خاص اس حیثیت سے تشنیع (اور ملامت) اس درجہ کی نہ ہوگی جس درجہ کی منافقین کو ہے مگر تشنیع ضرور ہوگی، کیونکہ وہ عمل تو منافقوں کا ہے جو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور کسی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں کہ مبنیٰ اس کے قبح کا (یعنی اس کی قباحت کی بنیاد) صرف کفرونفاق ہے بلکہ دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہے یعنی دوسرے دلائل سے خود اس عمل کا فی نفسہ بھی قبح (برا ہونا) ثابت ہے اور منافقین کا شعار ہونے سے ایک قبح تشبہ بالمنافقین کا اس میں اور بڑھ جائے گا، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس عمل کے ساتھ انضمام عقیدہ فاسدہ (یعنی فاسد عقیدہ کے مل جانے سے اس کی) قباحت اور زیادہ ہوجائے گی۔ اور عقیدہ فاسدہ کا انضمام نہ ہو تو اس درجہ کا قبح نہ ہوگا مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ قبح ہو ہی نہیں، بہرحال ایک توجیہ میں تو مسلمان سے اس عمل کا صدور (جس کا یہاں ذکر ہوا) اشد ہوگا اور دوسری توجیہہ کا مقتضا یہ ہے کہ اشد نہ ہو مگر مجموعہ کا حاصل یہی ہے کہ وہ عمل تشنیع کے قابل ضرور ہے اور اسی کے قریب قریب ہے یعنی عمل کافر کے، کہ مجموعہ میں بھی تفاوت ہوگا مگر دونوں قریب قریب ضرور ہیں اور قرب کی کوئی حد نہیں۔

مقتضائے محبت

پھر محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ ناراضی محبوب کی حد دریافت نہ کی جائے، عاشق کبھی یہ نہیں کرسکتا کہ اگر تھوڑی سی ناراضی ہو زیادہ نہ ہو تو میں اس عمل کو کرلوں گا بلکہ محبت کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر ناراضی بھی نہ ہو صرف اتنی بات ہوجائے کہ پہلا سا برتاؤ نہ رہے، لطف وعنایت میں کچھ کمی ہوجائے تو وہ اس کا بھی تحمل نہیں کرسکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ افک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ کو یوں ہی بیان فرماتی ہیں کہ مجھ کو یہ بات بہت قلق واضطراب میں ڈال رہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ پہلا سا برتاؤ نہیں، پہلا سا لطف نہیں، حضرت عائشہؓ کو ناراضی کا یا عدم لطف کا شبہ نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بار بار ان سے مزاج پرسی فرماتے تھے، گھر والوں سے پوچھتے تھے کہ عائشہؓ کا مزاج اب کیسا ہے؟ مگر ان کو قلتِ لطف کا شبہ تھا اور اسی سے ان کی جان نکلتی تھی۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۷۷)

منافقانہ حرکتیں یقیناً بری اور قابل اصلاح ہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب

شاید اس جگہ بعض سامعین کو یہ شبہ ہو کہ یہ آیت تو منافقین کی شان میں ہے مسلمانوں کو کیوں سناتے ہو۔

جواب اس کا یہ ہے کہ منافقین کے ہر فعل پر تو مذمت نہیں ہے بلکہ ان کے افعال مذمومہ ہی پر مذمت کی جاتی ہے، منافقین سے بعضے اچھے کام بھی ہوسکتے ہیں، بلکہ کفار سے بھی اچھے کام ہوسکتے ہیں، سو ان افعال پر، افعال ہونے کی حیثیت سے مذمت نہ ہوگی۔

جیسے کوئی کافر یا منافق رحم دلی اور عدل کرے تو اس کے اس فعل کو مذموم نہ کہیں گے، بلکہ کفار کے بعض افعال پر قرآن وحدیث میں مدح وارد ہے، قرآن میں ہے:

وَمِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖ اِلَیْکَ کہ اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی) امانت رکھ دو اس کو (بجنسہ) ادا کردیں، اس میں بعض اہل کتاب کی امانت کی تعریف ہے کیونکہ امانت فی نفسہ فعل ممدوح ہے اور حدیث میں ہے۔

لو کان ابن عدی حیا وکلمنی فی ھولاء النتنی لترکتھم له قال الراوی کانه یشکر۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اساریٰ بدر کے متعلق فرمایا کہ اگر اس وقت

مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان پلیدوں کی بابت (بطور سفارش کے) کچھ کہتے تو میں ان کی خاطر سب کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دیتا۔

راوی کہتے ہیں کہ گویا آپ ان کا شکریہ ادا کررہے تھے۔ کیونکہ ایک مرتبہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے کر مکہ کے اندر داخل کیا تھا جو فی نفسہ فعل ممدوح تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قدر کی، جب یہ بات ہے کہ کفار ومنافقین کے ہر فعل پر مذمت نہیں ہوتی۔ بلکہ افعال مذمومہ ہی پر ہوتی ہے تو اب جہاں منافقین یا کفار کے کسی فعل پر قرآن وحدیث میں مذمت ہوگی اس سے معلوم ہوگا کہ یہ فعل فی نفسہ مذموم ہے خواہ کسی میں ہو، پھر یہ بھی لازم نہیں کہ منافقین وکفار کے ہر فعل کو ان سے ایسی خصوصیت ہو کہ ان کے سوا وہ کسی میں نہ پایا جائے اور جس میں وہ فعل پایا جائے وہ منافق یا کافر ہی ہو بس کفر ونفاق یہ افعال تو ایسے ہیں جو کفار ومنافقین کے سوا کسی دوسرے میں نہیں ہوسکتے باقی ان کے علاوہ دوسرے افعال میں یہ لازم نہیں کہ وہ منافقین وکفار ہی کا خاصہ ہوں، چنانچہ جہنم میں جب کفار سے سوال ہوگا کہ مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ (تم دوزخ میں کس معصیت سے داخل ہوگئے؟) تو وہ جواب دیں گے ''لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ '' کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے، دیکھئے یہاں کفار نے اپنا فعل ترک صلوٰۃ بھی بیان کیا ہے جو کفار کا لازمی خاصہ نہیں بلکہ ترک صلوٰۃ مسلمان سے بھی صادر ہوسکتا ہے اور ہورہا ہے مسکین کو کھانا نہ دینا بھی کفار کا خاصہ لازمی نہیں۔

مسلمان سے بھی اس کا صدور ہوسکتا ہے۔ اتنا فرق ہوگا کہ کفار میں ترک صلوٰۃ کا منشا کفر ہے اور مسلمان میں اس کا منشا کسل وغیرہ ہوگا، اس لئے ترک صلوٰۃ

سے وہ کافر نہیں ہوتا، کیونکہ منشا وہ نہیں جو کفار میں ہے اور کفار میں عدم اطعام کا منشا انکار جزاء واجر (یعنی قیامت کا انکار) ہے اور مسلمان میں بخل وطمع ہوگا جیسا کہ افعال حسنہ کفار سے بھی ہوتے ہیں مگر ان کا منشاء ایمان نہیں اس لئے وہ گو دنیا میں ممدوح ہیں اور دنیا ہی میں ان کو ان پر اجر بھی مل جاتا ہے مگر آخرت میں مقبول نہیں اور اگر وہی افعال مسلمان سے صادر ہوں تو احسن ہیں کیونکہ ان کا منشاء بھی حسن ہے۔

مخلوق کو راضی کرنے کی فکر و کوشش ایک واقعی مرض ہے

پس افعال مذمومہ جو کافروں سے صادر ہوتے ہیں وہ تو کریلا اور نیم چڑھا کے مصداق ہیں کہ فعل بھی مذموم ہے اور منشا بھی خبیث، جیسا کہ منافقین سے ارضاء خلق کا صدور ہوتا تھا کہ یہ فعل بھی مذموم ہے اور اس کا منشا بھی ان میں مذموم تھا یعنی نفاق کیونکہ منافقین شب و روز اسی فکر میں رہتے کہ ہماری قلعی نہ کھل جائے اس لئے جب کبھی بات موجب اشتباہ ان سے صادر ہوتی تو مسلمانوں کے سامنے اپنی برات کے لئے قسمیں کھاتے تھے تاکہ مسلمان ان سے خوش رہیں اور اگر کسی مسلمان سے یہ فعل صادر ہوگا تو اس کا منشا نفاق وکفر نہ ہوگا مگر یہ فعل تو مذموم ہے اس لئے مسلمانوں کو اس آیت کا مضمون سنایا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ارضاء خلق (مخلوق ک راضی کرنے کی فکر) بھی ایک مرض ہے خواہ تنہا ہی ہو کفر ونفاق کے ساتھ نہ ہو۔

دیکھئے اگر ایک شخص کے سر میں درد ہو اور آنکھوں میں بھی ہو یہ بھی ایک مرض ہے اور تنہا سر ہی میں درد ہو تو وہ بھی مرض ہے اور ہر مرض علاج کے قابل ہے۔ (ص ۲۲)

منافقوں والا یہ مرض ہم لوگوں میں بھی موجود ہے جس کا علاج ضروری ہے

ارضاء خلق کا مرض ہونا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی مذمت بیان فرمائی کیونکہ اس جگہ صرف یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ پر مذمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ قسم کھانا مطلقا برا نہیں قرآن وحدیث میں جا بجا حلف باللہ وارد ہے اگر یہ فعل مطلقا مذموم ہوتا تو قرآن وحدیث میں حلف کا استعمال کیوں ہوتا، بلکہ یہاں محل ذم (اور قابل ملامت) "لِیُرۡضُوۡکُمۡ" ہے کہ وہ لوگ ارضاء خلق کے لئے قسم کھاتے تھے اور ارضاء حق کو پس پشت ڈالتے تھے، چنانچہ آگے اسی پر تشنیع ہے تو یہ فعل مذموم ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ منافق ہی کا خاصہ ہو کہ اس کے سوا کسی میں نہ پایا جائے تو اب وہ شبہ جاتا رہا۔

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ یہ فعل فی نفسہ مذموم ہے اور خاصہ منافقین کا نہیں بلکہ دوسروں میں بھی پایا جا سکتا ہے تو اب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ یہ فعل ہم میں ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تقریباً ہر شخص میں اس مرض کا وجود ہے چاہے درجات مختلف ہوں۔ افعال دنیا میں تو عموماً اس مرض کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی کبھی اعمال دین میں بھی اس کا ظہور ہوتا ہے، ہمارے دنیوی افعال یہ ہیں، برادری کے تعلقات تقریبات کے مواقع اور مقدمہ بازیاں وغیرہ وغیرہ جملہ افعال میں مخلوق ہی کی رضاء مقصود ہوتی ہے۔

شاید کوئی کہے کہ ہم ساری مخلوق کی رضا کی فکر کب کرتے ہیں بس دو چار

برادری کے آدمیوں کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ سو سمجھ لیجئے کہ آیت کا مدلول یہ نہیں کہ تمام مخلوق کے راضی کرنے کا مقصد برا ہے بلکہ اس کا مدلول یہ ہے کہ مطلق مخلوق کی رضا کی فکر بھی بری ہے کیونکہ لِيُرْضُوْكُمْ سے بالاجماع صحابہ کرام مراد ہیں اور تمام مخلوق صحابہ میں منحصر نہیں اور نہ تمام مخلوق کو راضی کرنا ممکن ہے پس یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ارضاء خلق (مخلوق کو راضی کرنے کی کوشش کرنا) مطلقا مذموم ہے۔

(وعظ تسلیم ورضا ص۲۳)

یہ مرض تقریباً ہم سب میں موجود ہے

اب آج کل ہر شخص اپنی حالت پر غور کرے کہ اس میں یہ مرض موجود ہے یا نہیں جہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ یہ مرض قریب قریب ہر شخص میں موجود ہے (اِلَّامَنْ عَصَمَ اللّٰه) کہ جب رضائے خلق ورضائے حق میں تزاحم ہوتا ہے (یعنی اللہ اور کسی مخلوق کی رضا میں ٹکراؤ کی صورت ہو) تو یہ رضائے خلق (مخلوق کی رضامندی کو) راجح کرتا ہے اور بعض تو ایسے ہیں جو لکھے پڑھے ہیں کہ وہ اس کو کھینچ تان کر رضائے حق پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور گو ان کے دل میں کھٹک بھی ہوتی ہے کہ یہ کام رضائے حق کے لئے نہیں ہے بلکہ رضائے خلق کے لئے ہے لیکن وہ بار بار ایسی ہی دلیلوں سے اس کھٹک کی مقاومت (یعنی مقابلہ) کرتے ہیں، جن کا دلیل نہ ہونا اس کو خود معلوم ہے اگر وہ دلیل کچھ دلیل ہوتی تو اس سے اول ہی اطمینان حاصل ہوتا، جب اطمینان نہیں ہوا بلکہ کھٹک موجود ہے تو معلوم ہوا کہ وہ دلیل نہیں بلکہ ضاد کے ساتھ ضلیل (گمراہی) ہے لیکن اس مقاومت مجہول کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز میں وہ کھٹک بھی جاتی رہتی ہے اور دل مردہ ہوجاتا ہے، جس سے یہ خوش ہوتا ہے کہ بس اب شرح صدر ہوگیا کہ یہ فعل رضائے حق کے لئے ہے حالانکہ کھٹک کا زائل ہونا شرح صدر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس مقاومت بے جا (یعنی بے جا اصرار) کی وجہ سے تھا کیونکہ قلب کا یہ قاعدہ ہے کہ ناجائز فعل سے اول وہلہ میں اس کو جس قدر کراہت ونفرت ہوتی ہے دوسری مرتبہ میں ویسی نفرت نہیں ہوتی اور اس میں جو کھٹک اول وہلہ میں پیدا ہوتی ہے اگر اس پر عمل نہ کیا گیا، بلکہ اس کو دبا دیا گیا تو پھر یہ کھٹک کمزور ہوجاتی ہے اور بار بار کے دبانے سے بالکل جاتی رہتی ہے جو قلب کے سیاہ وبے حس ومردہ ہوجانے کی دلیل ہے کہ اب قلب کو گناہ سے الفت ہوگئی ہے اس لئے کھٹک نہیں رہی مگر یہ شخص سمجھتا ہے کہ مجھ پر حق واضح ہوگیا اور شرح صدر ہوگیا ہے اس لئے کھٹک موقوف ہوگئی، یاد رکھو! یہ حالت سخت خطرناک ہے۔

(وعظ تسلیم ورضا ص۱۱۰)

دنیوی تعلقات ومعاملات میں ارضاء خلق کا مرض

اب دیکھ لیا جائے کہ دنیوی تعلقات اور معاملات میں ہم لوگ ارضاء خلق کا قصد کرتے ہیں یا نہیں؟ رات دن یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرنے لگے حالانکہ اس میں کوئی نفع بھی نہیں نہ کچھ مالی فائدہ ہے جو بڑا نفع شمار ہوتا ہے، مگر اس بے کار اور فضول گناہ میں بھی لوگوں کو ارضاء خلق کا اہتمام ہے کہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے نہیں روکتے بلکہ سنتے رہتے ہیں اور محض اس وجہ سے اس کو نہیں روکتے، نہ خود وہاں سے ٹلتے ہیں کہ اس کو ناگوار ہوگا اور اس کی مطلق پرواہ نہیں

کرتے کہ غیبت کا سننا حق تعالیٰ کو ناگوار ہے جب ایک بے کار اور بے منفعت کام میں یہ حال ہے تو جس گناہ میں کچھ دنیوی منافع بھی معلوم ہوتے ہوں جیسے کسی رئیس کی یا دوست کی خاطر جھوٹی گواہی دینا تا کہ وہ ہمارے وقت میں کام آئے، وہاں تو یہ کیوں ارضاءِ خلق کا اہتمام نہ کریں گے۔ اسی طرح رسوم شادی وغمی میں ارضاءِ خلق کے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔ اسی طرح تجارت میں خریداروں کو راضی کرنے کا اہتمام ہوتا ہے چاہے دین ضائع ہو جائے یہ تو دنیا کے قصے تھے۔

(وعظ تسلیم ورضاء ص ۲۴)

دینی امور میں ارضاءِ خلق کا مرض

افسوس اس کا ہے کہ دین کے باب میں بھی ارضاءِ خلق کا خیال کیا جاتا ہے مثلاً ایک سوال کوئی اجنبی کرے تو اس کو صاف صاف مسئلہ بتلایا جائے گا اور وہی سوال کوئی اپنا آشنا کرے جس سے کچھ مصالح وابستہ ہوں مثلاً کوئی رئیس ہمارے مدرسہ میں چندہ دیتا ہو تو وہاں اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کے لئے کچھ گنجائش نکالی جائے، غرض اس کو مسئلہ نرم بتلائیں گے۔

اور بعضے تو غضب کرتے ہیں کہ نماز میں بھی اس کا خیال کرتے ہیں کہ چودھری یا رئیس ناراض نہ ہو جائے چنانچہ ایک ملاجی نے نماز میں صُحُفِ اِبۡرَاهِیۡمَ وَعِیۡسٰی وَمُوۡسٰی پڑھ دیا تا کہ فقط موسیٰ کا نام لینے سے دوسرا چودھری خفا نہ ہو جائے کہ میرا نام نہ لیا۔

خیر یہ تو سنی ہوئی بات تھی، اس سے بڑھ کر میں نے خود ایک فتویٰ دیکھا ہے کہ جس میں ایک مفتی نے ایک ہزار روپیہ لے کر ساس کو حلال کر دیا تھا، مطلق ساس کی حرمت تو قرآن میں صاف موجود ہے اس میں تو کسی کی چل نہ سکتی تھی اور نہ ایسے فتوے کو کوئی مان سکتا تھا مگر اس مفتی نے ایک خاص ساس کو جائز کیا تھا اور دلیل یہ لکھی کہ ساس تو واقعی حرام ہے مگر ساس کہتے ہیں منکوحہ بنکاح صحیح کی ماں کو اور اس سائل کی بیوی منکوحہ بنکاح صحیح نہیں کیونکہ مسلمان کے نکاح صحیح ہونے کے لئے زوجین کا اسلام شرط ہے اور مسلمان وہ ہیں جس سے کفر کا صدور نہ ہوا ہو اور وہ عورت چونکہ جاہل تھی اس لئے وہ مسلمان نہیں تھی کیونکہ جاہلوں سے عموماً کفریات صادر ہو جاتے ہیں اور نکاح کے وقت عورت کو کلمہ نہیں پڑھائے گئے، اسلام کی تجدید نہیں کرائی گئی۔ اس لئے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو اس عورت کی ماں منکوحہ کی ماں نہیں یعنی ساس نہیں، بلکہ موطوۃ کی ماں ہے اور ام موطوہ کی حرمت منصوص نہیں، بلکہ صرف امام ابوحنیفہ کا قول ہے جو حرمت مصاہرت بالزنا کے قائل ہیں باقی ائمہ زنا سے حرمت مصاہرت کے قائل نہیں اور امام ابوحنیفہ کی تقلید ہر مسئلہ میں واجب نہیں پس اس شخص کے لئے اس کی (برائے نام) بیوی کی ماں حلال ہے۔

دیکھئے اس ظالم نے طمع دنیا اور ارضاءِ خلق کے لئے کس ہیر پھیر سے ایک غریب مسلمان عورت کو کافر بنانے کی کوشش کی، بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ اس احتمال سے کہ جاہلوں کی زبان سے عموماً کفریات کا صدور ہو جاتا ہے کسی خاص جاہل کے کفر کا یقین کر لینا تم کو کیونکر جائز ہو گیا؟ افسوس یہ حالت ہے مسلمانوں کی کہ دین میں بھی ان کی نظر مخلوق پر رہتی ہے۔

(تسلیم ورضاء ص ۲۶)

یہ حرکت بھی منافقوں والی ہے کہ اگر اپنی مرضی کے مطابق مسئلہ کا جواب ملے تو قبول کریں ورنہ نہیں

مگر آج کل حالت یہ ہے کہ میں نے کانپور میں بعض رسوم و بدعات کے رد میں بیان کیا تو ایک انسپکٹر صاحب وعظ کے بعد مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ تو گیارہویں شریف سے منع کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ اس کو جائز کہتے ہیں تو ہم کیا کریں، میں نے کہا کہ یہ سوال شبہ کی وجہ سے ہے یا اعتراض کی بناء پر؟ کہنے لگے نہیں اعتراض مقصود نہیں بلکہ اپنی تسلی چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ اگر آپ کو تحقیق حق مقصود ہے تو ایمان سے کہئے کبھی ان بزرگ سے بھی آپ نے یہ سوال کیا ہے کہ حضرت آپ تو اس کو جائز کہتے ہیں اور فلاں اس کو ناجائز کہتا ہے، کہا نہیں، میں نے کہا آخر اس بے انصافی کی کیا وجہ ہے کہ ان کے قول سے میرے قول میں تو آپ کو شبہ پیدا ہوا اور میرے قول سے ان کے قول میں شبہ پیدا نہ ہوا، اس کی دو ہی وجہ ہوسکتی ہیں یا تو آپ کو اتنا علم حاصل ہے جس سے قوت فیصلہ آپ میں پیدا ہوگئی کہ ان کے دلائل کی قوت اور ہمارے دلائل کا ضعف آپ کو معلوم ہوگیا اگر یہ ہے تو آپ خود محقق ہیں پھر مجھ سے تحقیق کیوں چاہتے ہیں؟ اور اگر یہ نہیں تو بس اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کا دل گیارہویں کرنے کو چاہتا ہے اس لئے جس کی بات دل کے موافق ہوئی اس میں شبہ پیدا نہیں ہوا اور جس کی بات دل کی مرضی کے خلاف ہوئی اس میں شبہ پیدا ہوا تو آپ نہ ان مولوی صاحب کے متبع ہیں نہ ہمارے بلکہ اپنی رائے کے متبع ہیں اور یہ حالت شان اسلامی کے خلاف ہے، یہ تو وہ

بات ہے جو قرآن میں منافقوں کے متعلق بیان کی گئی ہے۔

یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا

ترجمہ: (یعنی منافقین یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ جواب ملے تو قبول کرلو، اس کے خلاف ملے کو چھوڑ دو)

یہ منافقین کی حالت تھی کہ وہ خدا و رسول سے اپنی غرض کے واسطے استفتاء کرتے تھے اگر رائے کے موافق جواب ملا تو مولانا روشن دماغ ہیں، زمانہ شناس ہیں، اور خلاف رائے جواب ملا تو تاریک خیال، پست خیال، قوم کو پستی کی طرف لے جانے والے کا خطاب ملتا ہے۔

میں گیارہویں کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ جو علماء اس کو جائز کہتے ہیں کیا وہ اس کو واجب و فرض بھی کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں تو پھر تم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ایک طرف تو یہ فتویٰ ہے کہ جائز ہے مگر واجب نہیں۔ اور دوسری طرف یہ فتویٰ ہے کہ ناجائز ہے بدعت ہے اور اس صورت میں اس کا کرنا کھٹک سے خالی نہیں، مگر کھٹک پیدا ہو (اس کو) جو خالی الذہن ہو کر غور کرے، اور جس کے دل میں پہلے ہی سے یہ بات جمی ہوئی ہے کہ کرنا چاہئے، اس کو جواز کے فتوے میں کیوں کھٹک ہوگی۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ گو واجب تو نہیں مگر باعث برکت ہے تو میں کہتا ہوں کہ جن کی گیارہویں تم کرتے ہو وہ خود کس چیز سے بابرکت ہوئے تھے کیا وہ بھی اپنی گیارہویں کرتے تھے؟ یقیناً نہیں تو پھر تم وہ کام کیوں نہیں کرتے جس سے وہ گیارہویں والے بابرکت ہوئے تھے اور جو بزرگ ان سے پہلے ہوئے ہیں یعنی صحابہ وتابعین کیا وہ بدون گیارہویں کے ناقص تھے؟ کچھ نہیں یہ سب باتیں وہی ہیں جن سے کھینچ تان کرنا جائز کو جائز بنایا جاتا ہے۔ (تسلیم و رضا ص ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کو راضی کرنے کی وہی کوشش مطلوب ہے جو نبی ہونے کے حیثیت سے ہو ورنہ نہیں

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ لِیُرۡضُوۡکُمۡ وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ اِنۡ کَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ“۔ (سورہ توبہ پ ۱۱)

یہ منافقین تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کر دیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔

یہ آیت غزوہ تبوک کے متعلق ہے کہ منافقین نے اس غزوہ میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو بلا بھیجا اور ان سازشوں کے متعلق گرفت فرمائی تو وہ قسمیں کھا گئے کہ بخدا ہم نے کچھ نہیں کیا اور جس نے یہ خبر آپ کو پہنچائی ہے اس نے غلط کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس جگہ ایک شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ منافقین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رضا کے واسطے قسمیں کھاتے تھے پھر ”وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ“ میں رسول کا ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کا اہتمام نہ کرتے تھے۔

اس شبہ کا جواب سمجھ لیجئے! مشہور جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حق تعالیٰ کی رضاء کو مستلزم ہے، تو جب انہوں نے حق تعالیٰ کو راضی کرنا نہیں چاہا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی راضی کرنا نہیں چاہا۔

دوسرے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرارتوں سے واقف تھے اس لئے آپ ظاہر میں بھی ان سے راضی نہ ہوتے تھے لیکن ان کی قسموں کے بعد آپ گرفت کو موقوف کر دیتے تھے، وہ لوگ اسی کو کافی سمجھتے تھے ورنہ دل میں وہ بھی جانتے تھے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قسموں سے راضی نہیں ہوئے۔

مگر میرے نزدیک سہل جواب یہ ہے کہ رسول کی اِرضا (یعنی رسول کو خوش کرنے) کی دو حیثیتیں ہیں ایک اِرضا بہ حیثیت سلطنت دوسری ارضا بہ حیثیت نبوت و رسالت، اس کے بعد سمجھئے کہ منافقین کا قصد یہ تو ضرور تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے راضی رہیں مگر یہ قصد محض بہ حیثیت سلطنت اس غرض سے تھا کہ ان کے مال و جان محفوظ رہیں اور اس حیثیت سے آپ کی رضا مثل دوسرے مسلمانوں کی رضا کے رضائے خلق تھی اور یُرۡضُوۡکُمۡ میں داخل، نہ کہ رضائے خالق اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں، جو دوسری حیثیت رسالت اور مظہر حق ہونے کی تھی اور اسی حیثیت سے آپ کی رضا عین رضاء حق ہے اس کی ان کو پرواہ نہ تھی۔

خلاصہ یہ کہ وہ مخلوق کی رضا کو رضائے خالق پر ترجیح دیتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہ حیثیت مخلوق محض ہونے کے راضی کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا شرعاً بہ حیثیت نائب حق ہونے کے مطلوب ہے جس کی منافقوں کو پرواہ نہ تھی اس لئے ”وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ“ میں رسول کا ذکر کیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ جس حیثیت سے رسول کو تم راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جو مطلوب ہے اس حیثیت سے تم ان کو راضی نہیں کرنا چاہتے۔ پس اللہ و رسول من حیث ہو رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان کو راضی کرو پس اب اشکال رفع ہوگیا۔ اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و محبت وہی مطلوب ہے جو اس حیثیت سے ہو کہ آپ

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مظہر حق ہیں، دوسری حیثیت سے آپ کی رضا و محبت مطلوب نہیں۔

ہاں! اگر پہلی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیات بھی جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہے ورنہ صرف دوسری حیثیات کافی نہیں مثلاً ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ آپ ان کے بھتیجے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ عاقل کامل تھے اور اب بھی بعض مصنفانِ یورپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و ہمت و استقلال وغیرہ کی تعریف بہت شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں، ان حیثیات سے آپ کی محبت و رضا شرعاً کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ محبت کی جائے اور اس ہی حیثیت سے آپ کی رضا شرعاً مطلوب ہے۔ (تسلیم و رضا ص ۹۱)

منافقین اپنے مطلب اور دنیا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے

آیت میں یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ میں لَکُمْ سے مراد کون لوگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہؓ مراد ہیں صحابہ مع الرسول مراد نہیں کیونکہ آگے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مستقل طور پر ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ منافقین حضرات صحابہؓ کے راضی کرنے کی فکر کرتے تھے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روایات میں مصرح ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش رہیں اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود مسلمانوں کو راضی کرنا تھا

آپ کو راضی کرنا نہ تھا، سو بات یہ ہے کہ آپ کی رضا ایک تو بحیثیت عدم تعرض کے ہے کہ آپ ان سے تعرض نہ کریں، قتل نہ کریں، غلام باندی نہ بنائیں اس اعتبار سے آپ کی رضا مثل دوسرے مسلمانوں کی رضا کے ہے، اور دوسری رضا دل سے ہے کہ آپ کا دل ہم سے خوش اور صاف رہے اس اعتبار سے آپ کی رضا مثل رضا اللہ تعالیٰ کے ہے اور منافقین کا قصد ارضا پہلی حیثیت سے تھا اور مطلوب دوسری حیثیت ہے جو ان میں مفقود تھی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا خوش کرنا اور راضی رکھنا وہ شخص چاہے گا جس کو محبت و اخلاص حاصل ہو اور منافقین حبِّ رسول ہی سے محروم تھے اخلاص تو کہاں ہوتا بس وہ تو یہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری برتاؤ میں فرق نہ آئے اور ہماری بات بنی رہے چاہے باطناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو کیسی ہی کلفت پہنچتی رہے۔ (تسلیم و رضا ص ۴۵)

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں ایک شانِ سلطنت اور دوسری شان نبوت و محبوبیتِ حق، پس روایات میں جو آتا ہے کہ منافقین جھوٹی قسموں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہتے تھے، وہاں رضا بحیثیت شان سلطنت مراد ہے اور اس اعتبار سے آپ کی رضا مثل مسلمانوں کی رضا کے تھی اور یہاں جو آیت سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کو راضی کرنے کا قصد نہ کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شان نبوت و رسالت کا لحاظ کر کے آپ کو راضی کرنے کی فکر نہ کرتے تھے کیونکہ اس حیثیت سے راضی کرنا تو عین ارضاء حق ہے اور وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت و رسالت کا کچھ پاس نہ کرتے تھے اور چونکہ حضور میں غالب شان نبوت تھی اور وہی آپ کی بعثت سے مقصود تھی شان سلطنت مقصود نہ تھی۔ بلکہ شان نبوت کے تابع تھی تاکہ اجراء احکام میں سہولت ہو اور منافقین نے اس شان مقصود سے آپ کی ارضاء کا (یعنی آپ کو خوش کرنے کا) قصد نہ کیا تھا۔ (تسلیم و رضا ص ۴۶)

باب۲

مخلوق کو راضی کرنے کے حدود

کون سا ارضاء خلق یعنی مخلوق کو راضی کرنا محمود ہے؟

الغرض ! ارضاء خلق (یعنی مخلوق کو راضی کرنا) دنیوی ناجائز غرض سے ممنوع ہے جیسے منافقین کی ناجائز ہی اغراض تھیں اور اگر غرض دنیوی مباح ہو تو وہ ناجائز نہیں مثلاً جائز سوال کے موقع پر یا کسی جائز نوکری کی توقع پر کسی غنی (یعنی مالدار) کو سلام کرنا یہ مذموم ارضاء خلق میں داخل نہیں ، اور اگر کسی مخلوق کو ارضاء حق کے لئے (یعنی حق تعالیٰ کو) راضی کیا جائے وہ تو ارضاء حق ہی ہے، اسی لئے آیت ''وَاللّٰہ وَرَسُوْلَہ' اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ ''فرمایا ہے''وَاللّٰہُ وَمُحَمَّدًا اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ ''نہیں فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو جہتیں ہیں ایک نسبت مع اللہ ایک خصوصیت ذات، اور مقصود فی الدین آپ کا راضی کرنا بحیثیت رسالت ہے نہ بلحاظ ذات۔ غرض بہ لحاظ نسبت رسالت کے آپ کا ارضا (یعنی آپ کو راضی کرنا) عین ارضا حق تعالیٰ ہے۔ اور اسی (وجہ سے) یُرْضُوْہُ میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے جو راجع ہے حق تعالیٰ کی طرف اور یہاں عین سے مراد معنی فلسفی نہیں جس میں اتحاد من کل وجہ کا تحقق مثل انسان وحیوان ناطق کے شرط ہے بلکہ یہ صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے ان کے نزدیک حق کا عین وہ ہے جس کو وصول الی الحق میں دخل ہو اور غیر وہ ہے جو وصول الی الحق میں مخل ہو۔

(تسلیم ورضاء ص ٦٧)

حق تعالیٰ کے لئے مخلوق کو راضی کرنا ریا میں داخل نہیں

ریا مذموم کی حقیقت

خلاصہ یہ کہ ''وَاللّٰہ وَرَسُوْلَہ' اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ میں وَرَسُوْلَہ' بڑھانے سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ ارضاء خلق للحق (یعنی اللہ کے لئے مخلوق کو خوش کرنا) ریا نہیں ہے، ریا وہ ہے جس میں دنیا کی غرض ہو، حتی کہ ارضاء رسول بھی اگر دنیا کے لئے ہو تو ریا ہے چنانچہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا ہی کے لئے راضی کرنا چاہتے تھے جس پر ان کو ملامت کی گئی، مگر یہاں پر ایک تفصیل اور ہے وہ یہ کہ اگر دنیائے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو وہ تو یقیناً ریا ہے اور اگر دنیائے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی میں ہے تو وہ بھی ریا نہیں ہے اور اگر عمل دینی میں ہے تو وہ بھی ریاء ہے بس اب یوں کہنا چاہئے کہ ریا کی حقیقت **ارضاء الخلق للغرض الدنیوی الفاسد اوللغرض المباح فی الطاعة** ہے مثلاً اگر کسی شخص کو عمل مباح سے اس لئے راضی کیا جائے تا کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو یہ ریا نہیں، ریا یہ ہے کہ مخلوق کو اس لئے راضی کیا جائے کہ وہ ہمارے معتقد رہیں۔ ہمارے مرید زیادہ ہوں وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ نیت معصیت ہے۔

اور ایک بات اور سمجھ لو وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی عمل ظاہر میں صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں محقق کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے واسطے یہ عمل صالح نہیں۔ کیونکہ نیت محمود نہیں، تو اس عمل کو چھوڑ دو اور محقق کا اتباع کرو، جیسا کہ بعض لوگ اپنے مجمع بڑھانے کو تاویل فاسد سے عمل صالح سمجھتے ہیں، یہاں اپنی رائے پر عمل نہ کرو۔ محقق سے استفتاء کرو۔

اور اس کو محقق ہی بتلا سکتا ہے کہ کس عمل کو قرب حق میں دخل ہے اور کس کو دخل نہیں، ہاں اگر خدا تعالیٰ تم کو بصیرت و تحقیق عطا فر دیں تو پھر اپنی رائے پر بھی عمل کرنا جائز ہے اور اس میں اگر غلطی ہوگی تو تم ماخوذ نہ ہوگے کیونکہ وہ غلطی اجتہادی ہوگی جس میں اجر کا وعدہ ہے۔ (تسلیم ورضاء ص۱۷۶)

آگے مولانا ایک شبہ کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتے ہیں شبہ یہ ہے کہ بعض اویسی النسبت ہوتے ہیں جن کے لئے ظاہر میں کوئی شیخ نہیں ہوتا تو وہ تنہا کیونکر واصل ہوگئے۔

ایک جواب تو لفظ نادر میں دے دیا کہ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے اور نادر پر حکم نہیں لگایا جا سکتا، نہ قاعدہ اکثریہ ایسے نادرات سے منقوض ہو سکتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ بھی تنہا نہیں پہنچے بلکہ کسی مرد طریق کی ہمت سے پہنچے ہیں، گو تمہیں اس کی خبر نہ ہو مگر کسی کامل کی ان پر نظر ضرور پڑی ہے تم سمجھتے ہو کہ ان کا کوئی شیخ نہیں حالانکہ باطن میں ان پر کسی شیخ کی نظر ہے، غرض بدون شیخ کے اس راستہ میں کام نہیں چل سکتا حتیٰ کہ اگر کوئی مرید شیخ سے بھی بڑھ جائے تو وہ بھی شیخ ہی کی برکت سے بڑھا ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک مرغی کے نیچے قاز اور بطخ کے انڈے رکھ دیئے جائیں تو گو بچہ نکلنے کے بعد یہ قاز اور بطخ مرغی سے بڑی اور قوی اور سیر فی الھواو فی الماء پر قادر ہوگی مگر اس کی یہ ترقی مرغی ہی کی بدولت ہے، اور جیسے بعض لوگ پودے سے ہوتے ہیں اور ان کے بیٹے لمبے تڑنگے مضبوط بہادر ہوتے ہیں تو کیا ان کے وجود میں اس پودے سے باپ کو دخل نہ ہوگا؟ غرض جو کچھ ہے شیخ کی برکت سے ہے اس لئے اس کا ارضا (یعنی اس کو خوش کرنا) جب کہ ارضاء حق کے (یعنی شریعت کے) معارض نہ ہو مقصود طریق ہے۔ مگر اس کو راضی کرنے سے

مراد یہ ہے کہ اس کو مکدر کرنے سے بچے اور اس کے دل کو میلا نہ کرے اگر وہ خدمت سے راضی ہو تو خدمت کرے اور خدمت نہ کرنے سے راضی ہو تو خدمت نہ کرے۔

شیخ کو راضی کرنا حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے

اس طرح پر شیخ کا راضی کرنا عین ارضاء حق ہے بلکہ شیخ ہی کی کیا تخصیص ہے ہر مسلم کی ارضاء عین ارضاء حق ہے حدیث میں۔

تطییب قلب مومن (یعنی مؤمن کا جی خوش کرنے) کی جا بجا تاکید ہے اور اسی لئے ''تھادوا تحابوا'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس سے محبت پیدا ہوگی۔ اور اس سے محبت پیدا ہونے کا راز وہی ہے کہ ہدیہ سے تطییب قلب (یعنی دلی خوشی) ہوتی ہے جو محبت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ (تسلیم ورضاء ص۶۵)

کس نوع کا ارضا خلق (مخلوق کو راضی کرنا) مذموم ہے

مشائخ کی تعظیم و اطاعت میں ایسا غلو کرنا کہ وہ خلاف شرع بات کا حکم کریں جب بھی ان کی اطاعت کی جائے یہ بھی ارضائے خلق میں داخل ہے، جس کی مذمت حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمائی ہے، خوب سمجھ لو میں جو ارضاء خلق سے منع کر رہا ہوں اس سے مراد وہی ہے جو ارضاء حق کے (یعنی حق تعالیٰ کی مرضی اور شریعت کے) معارض ہو اور جو معارض نہ ہو بلکہ ارضاء حق میں معین ہو وہ مراد نہیں، پس اگر ارضاء حق کے لئے (یعنی اللہ کو خوش کرنے کے لئے) شیخ کو راضی کیا

جائے تو یہ عین توحید ہے اور مذموم نہیں، بلکہ ایک درجہ میں مطلوب ہے کیونکہ طریق باطن بغیر رفیق کے طے نہیں ہوسکتا اور اس کا رفیق شیخ ہی ہے۔

علماء ومشائخ کو خوش کرنے کے حدود

اس جگہ (یعنی آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ میں) حق تعالیٰ نے منافقین کے اس فعل کی قباحت بیان کی ہے کہ وہ حضرات صحابہؓ کو خوش کرنے کا قصد کرتے ہیں اور یہ ارضاء (یعنی خوش کرنا) وہی ہے جو خلاف شرع ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ اللہ ورسول کو خوش کرنے کا قصد نہیں کرتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہؓ کا درجہ اقطاب واغواث سب سے بڑھا ہوا ہے، جب ان کا ارضاء بھی مطلقاً محمود نہیں بلکہ اس کے بعض افراد مذموم وشنیع ہیں یعنی صحابہؓ کا وہ ارضاء جو ارضا اللہ وارضاء رسول سے خالی ہو تو اقطاب ومشائخ کا ارضاء (خوش کرنا) مطلقاً کیسے محمود ہوسکتا ہے؟

مشائخ کی تعظیم میں غلو مذموم ہے

یہاں سے مرض معلوم ہوگیا ان مدعیان طریقت کا جو مشائخ کی تعظیم میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ چاہے خدا اور رسول کے احکام فوت ہوجائیں مگر پیر کے احکام فوت نہ ہوں، چنانچہ مجھ سے ایک شخص نے خود یہ کہا کہ میں شیخ کے بتلائے ہوئے وظیفہ کو کبھی نہیں چھوڑتا چاہے نماز وجماعت چھوٹ جائے، استغفر اللہ! حکم شیخ کی اتنی عظمت، یہ بھی ارضاء خلق میں داخل ہے اور منافقین کے فعل کے مشابہ ہے۔

اسی طرح ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک پیر نے مرید سے پوچھا کہ تو خدا کو جانتا ہے؟ اس نے کہا میں خدا کو کیا جانوں میں تو آپ کو جانتا ہوں نعوذ باللہ،

نعوذ باللہ، اب اس پر کوئی عالم ایسے لوگوں کی تکفیر کرے تو بتلایئے اس کی کیا خطا ہے۔ (تسلیم ورضاء ص ۴۷)

مخلوق کو راضی اور خوش کرنے کی کوشش اگر حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہے تو وہ بھی محمود اور عبادت ہے

اور یہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ یہاں ‘وَرَسُوْلَہٗ’ بڑھا کر اس بات کی تنبیہ فرمادی کہ ارضائے خلق بھی اگر بہ نیت ارضائے حق ہو (یعنی مخلوق کو خوش کرنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنا پیش نظر ہو) تو وہ ارضائے حق ہی میں داخل ہے پس اب شیخ کی اطاعت وانقیاد پر اشکال نہ رہا بلکہ وہ بھی ارضائے حق ہی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو خوش کرنا ہے) کیونکہ ارضائے شیخ سے مقصود ارضائے حق ہی ہے۔

بعض لوگوں کی نیت تو اس میں یہ ہوتی ہے کہ شیخ خوش ہوگا تو ہمارے حال پر زیادہ توجہ کرے گا۔ اس میں تو اپنی غرض کا شائبہ بھی ہے گو یہ غرض محمود ہے کیونکہ توجہ سے مقصود اپنی اصلاح وتکمیل ہے اور اس سے مقصود رضائے حق ہی ہے اور بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب ومقبول ہے اس کے خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے، اس نیت میں اپنی غرض بھی نہیں ہے بلکہ خالص ارضائے حق ہی مطلوب ہے۔ بہرحال ارضائے خلق اگر بہ نیت ارضائے حق ہو تو وہ ارضائے حق ہی میں داخل ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارضاء کو آیت میں ارضائے حق کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

(تسلیم ورضا: ص ۱۶۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اور حدیث نے تو اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح صاف کر دیا، حدیث صحیح میں ہے کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قرآن سنا جب کہ وہ تہجد میں قرأت کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو فرمایا کہ اے ابو موسیٰ! رات میں نے تمہارا قرآن سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزامیر آل داؤد میں سے ایک مزمار عطا فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ تمہاری آواز گویا لحن داؤدی ہے۔

تو حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے خبر ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور بنا سنوار کر پڑھتا، حدیث میں ''لَحَبَّرْتُکَ تَحْبِیْرًا'' وارد ہے اس کا یہی ترجمہ ہے۔

اس سے بعض زاہدان خشک کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اگر حضورﷺ کے لئے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھتے تو یہ ریا ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر حق ہیں اور غیر حق کے لئے عمل کرنا ریا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہرگز ریا نہ ہوتی کیونکہ اس وقت ابو موسیٰ کو تطییب قلب رسول بہ نیت ارضائے حق مطلوب ہوتی اور یہ (یعنی رسول الہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اللہ کی رضا کی نیت سے خوش کرنا) ریا نہیں۔ گو کسی کو شبہ ہو جائے کہ صورۃ تو ریاء ہے مگر اس کی تسلیم کے بعد یہ کہا جائے گا کہ صورت ریا ریا نہیں ہے جب تک حقیقت ریاء نہ ہو۔

صورت ریا ریاء نہیں اور وسوسہ ریا ریا نہیں

اور یہاں سے ایک مسئلہ اور سمجھ لیجئے جو اجمالاً اس وقت میری زبان سے

نکل گیا ہے کہ صورت ریا ریا نہیں ہے اسی کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ وسوسہ ریا ریا نہیں، بس ریا وہ ہے کہ عمل دینی سے مقصود ہی غیر حق ہو اور غیر حق کو ارضائے حق کا واسطہ بھی نہ بنایا گیا ہو۔ اور اگر مقصود عمل سے غیر حق نہ ہو تو غیر کا وسوسہ آنا مضر نہیں۔

ریا کی حقیقت اور اس کا معیار

رہا یہ کہ اس کا معیار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ وسوسہ ریا تھا نہ کہ حقیقتِ ریا، تو ائمہ طریق نے اس کو بھی بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ریا یہ ہے کہ اس کے دیکھنے والے چلے جائیں تو یہ ذکر وغیرہ کو قطع کر دے، اور اگر ان کے جانے کے بعد ذکر کو قطع نہ کرے تو دیکھنے والوں کے ہوتے ہوئے جو ان کی طرف خیال گیا تھا یہ وسوسہ ریا نہ تھا۔ خوب سمجھ لو بعض لوگ اس حقیقت کو نہ جاننے سے ذکر جہر میں پس و پیش کرتے ہیں کہ اس میں تو ریا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک شخص کو ذکر جہر تعلیم فرمایا تو اس نے یہی کہا کہ اس میں تو ریا ہوگی (اس لئے بجائے ذکر جہری کے ذکر) خفی کر لیا کروں؟ مولانا نے فرمایا کہ جی ہاں! اس میں تو ریاء ہوگی، خفی میں نہ ہوگی، ارے بیٹھو ذکر خفی میں تو اس سے زیادہ ریا ہوگی، کیونکہ ذکر جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے بس لا الہ الا اللہ کر رہے ہیں اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہے، عرش کی یا کرسی کی، چاہے میاں سوتے ہی رہیں۔

ایک حکایت

چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحب کی

خدمت میں تھے اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے، رات کو ہم ذکر جہر کرتے تھے اور وہ ذکر خفی مگر صبح کو وہ روز شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی تھی اور میں سر جھکائے سو رہا اور ہم سب اپنا معمول پورا کر لیتے تھے، تو حضرت ذکر خفی میں بعض دفعہ آپ سوتے ہی رہیں گے اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب مراقب ہیں تو یہ اچھا انسداد ریا ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے پس یہ وسوسہ لغو ہے، ریا کوئی خود نہیں لپٹتی پھرتی۔ جب قصد کرو گے تب ہی ریا ہو گی ورنہ محض وسوسہ ہو گا جو مضر نہیں۔

اور بعض لوگ جو خود اپنے لئے ذکر خفی تجویز کرتے ہیں اس میں کبھی نفس کا ایک کید بھی ہوتا ہے اگر شیخ تجویز کرے تو اور بات ہے خود تجویز کرنے میں اکثر نفس کا یہ کید ہوتا ہے کہ لوگوں کو میرے ناغہ کی اطلاع نہ ہو، کیونکہ ذکر جہر میں اگر کسی دن سو گئے اور جہر نہ ہوا تو بھانڈا پھوٹ جائے گا، کہ بس سارا جوش ختم ہو گیا، اور آج میاں نے کچھ بھی نہیں کیا اور ذکر خفی میں چاہے روز سویا کرو عمر بھر بھی ناغہ کا پتہ کسی کو نہ چلے گا، پس یہ خیالات لغو ہیں ان کو دل سے نکالو اور شوق سے ذکر جہر کرو اور ریا سے بے فکر رہو مگر اتنا جہر نہ کرنا کہ محلّہ والے تم کو کوسیں ورنہ ایسے جہر سے نفع نہ ہو گا۔

(ارضاء الحق ص ۱۶۸)

ایسا ذکر جہری ممنوع ہے جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو

ہمارے دوست ڈپٹی کلکٹر ذاکر شاغل تھے انتقال کر گئے، پہلے وہ دوسرے شیخ سے متعلق تھے ایک زمانہ میں وہ اتنا جہر کرتے تھے کہ محلّہ بھر کو رات بھر جگاتے تھے، اور سب ان کو کوستے تھے پھر وہ اپنے شیخ سے بے تعلق ہو گئے کیونکہ وہ واقع میں

شیخ نہ تھے، ان کی تعلیم سے ان کو تسلی نہ ہوتی تھی، پھر انہوں نے مجھ سے رجوع کیا چونکہ طالب تھے اس لئے میں نے ان کی تعلیم و تربیت قبول کر لی، مگر یہ کہہ دیا کہ اپنے پہلے شیخ سے بدگمانی اور بے ادبی کبھی نہ کرنا کیونکہ اس کا بھی تم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے تم کو راستہ پر ڈال دیا اور اس کے بعد میں نے ان کو جہر مفرط سے (جس سے دوسروں کو تکلیف ہو مثلاً نیند خراب ہو اس سے) منع کر دیا تو ان کے محلّہ والے مجھے دعا دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وسوسہ ریا سے بے فکر رہو اور ذکر جہر شوق سے کرو۔

(ارضاء الحق ص ۱۶۸)

لوگوں کی درخواست کی بنا پر قاری صاحب کا خوب بنا سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟

ہاں! ایک مضمون میں کچھ کمی رہ گئی ہے اس کو اب پورا کئے دیتا ہوں، اس کے بعد ختم کر دوں گا، وہ مضمون یہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ارضائے خلق للحق ریا نہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث دلیل میں بیان کی تھی اس میں ایک اشکال کا جواب ہو گیا جو زمانہ دراز تک مجھے بھی رہا، وہ یہ کہ بعض لوگ قراء سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ قرآن سناؤ اب اگر وہ بنا سنوار کر پڑھتے ہیں تو ریا کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تنہائی میں اس طرح بنا سنوار کر نہیں پڑھتے، اور اگر معمولی طور سے پڑھ دیں تو درخواست کرنے والوں کا جی خوش نہیں ہوتا یہ اشکال (ایک عرصہ تک مجھے رہا) پھر بہت دنوں کے بعد الحمدللہ حضرت ابوموسیٰؓ کی اس روایت سے رفع ہوا (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) اور معلوم ہوا کہ تطییب قلب مومن (یعنی مؤمن کا جی خوش کرنے) کے لئے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا ریا نہیں گو اس میں ارضائے خلق

مقصود ہے مگر یہ ارضاء خلق للحق ہے (یعنی اللہ کو خوش کرنے کے لئے مخلوق کو خوش کرنا ہے) کیونکہ حق تعالیٰ نے تطییب قلب مومن کا امر فرمایا ہے پس جو قاری خوش آوازی سے لوگوں کو قرآن سناتا ہے اگر اس کو دنیا مطلوب نہیں اور وہ قرآن سنا کر روپیہ نہیں لیتا تو یہ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ یہ سب اخلاص ہی کے مراتب ہیں ایک یہ کہ محض خدا تعالیٰ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو، اور ایک یہ کہ مخلوق کے راضی کرنے کو کام کرے مگر کوئی غرض دنیوی مطلوب نہ ہو صرف اس کو خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے، اور ایک درجہ یہ کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کر لیا یہ بھی اخلاص عدم الریا ہے، بس ریاء یہ ہے کہ دنیوی غرض کی نیت ہو۔ (ارضاء الحق ص ۱۷۰)

دنیوی غرض سے خالی ہونا بھی اخلاص ہے

اب میں طلبہ کو بشارت دیتا ہوں کہ ان میں سے بعض کو طلب علم سے کچھ بھی مطلوب نہیں ہوتا نہ دنیا نہ دین، محض والدین کے کہنے سے پڑھ رہے ہیں سو یہ بھی ایک درجہ کے مخلص ہیں خلو عن الغرض الدنیوی بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ ریاء اور اخلاص کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور ریا کی حقیقت یہ ہے۔

إرائة الخلق للغرض الدنیوی

اس مجموعہ میں سے ایک قید کے اٹھ جانے سے بھی اخلاص کا تحقق ہو جائے گا۔ خواہ ارائة الخلق ہی نہ ہو یا ارائة الخلق ہو، مگر غرض دنیوی نہ ہو بلکہ دینی ہو یا غرض ہی کچھ نہ ہو۔

اسی رمضان میں گڈھی کے خاں صاحب کی فرمائش پر مولوی طیب نے جمعہ کے بعد کچھ قرآن پڑھا تھا، اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ آپ کی اس وقت کیا غرض تھی تو وہ کچھ بھی نہ کہہ سکتے، بس خاں صاحب نے فرمائش کی اور انہوں نے فرمائش کو پورا کر دیا تو یہ بھی اخلاص ہے گو اعلیٰ درجہ تو یہ ہی ہے کہ نیت ارضائے حق کی ہو مگر اعلیٰ درجہ کا اخلاص بڑے درجہ والوں کے لئے ہے ہمارے لئے تو یہی بہت ہے کہ ریا سے بچ جائیں اور جہنم میں نہ جائیں چاہے جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے، ہمارے لئے یہی کافی ہے، مقصود ریا سے بچنا ہے اور یہ اخلاص کے ہر درجہ میں حاصل ہے۔ بس اسی کا نام تصوف ہے، تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات یہی ملکات ہیں، اخلاص و رضاء و تواضع وغیرہ کو حاصل کرو اور ان کی اضداد (یعنی) ریا کبر و اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ بس صوفی ہو گئے۔

دوسروں کی فرمائش کی بنا پر قاری کا خوب بنا سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ رات ہم نے تمہارا قرآن سنا تو اللہ تعالیٰ نے تم کو صوت داؤدی سے حصہ دیا ہے اس پر حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا۔

”لَوْ عَلِمْتُ بک یارسول اللّٰہ لَحبرَّتُہ لَکَ تَحْبِیْرًا“

یارسول اللہ! اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ بنا بنا کر پڑھتا، اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا جو کہ تقریر سکوتی ہے، تو اگر کسی شخص کے لئے بنا سنوار کر قرآن پڑھنا مطلقاً ریا میں داخل ہوتا تو حضرت ابوموسیٰ کی یہ تحبیر (یعنی بنا سنوار کر پڑھنا) بھی ریاء میں داخل ہوتی اور ریا حرام ہے، گو حضور ہی کے دکھلانے کے واسطے ہو کیونکہ ریا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے سامنے بھی حرام ہے کسی قاعدہ سے یہ تخصیص نہیں معلوم ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھلانے کے واسطے کام کرنا جائز ہے اور وہ ریا نہیں، بہر حال یہ تجبیر بھی ناجائز ہوتی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا اس کے جواز کو ظاہر کر رہا ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہاں اس تجبیر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلانا بالذات مقصود نہیں بلکہ حضور کے سنانے سے مقصود آپ کی تطییب قلب (یعنی آپ کا دل خوش کرنے) کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔

اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص آئینہ میں سے محبوب کا جمال دیکھے تو مقصود آئینہ نہیں ہے بلکہ اس واسطہ سے رؤیت جمال محبوب مقصود ہے، پس اسی طرح اگر قرّاء اس نیت سے بنا سنوار کر قرآن سنائیں کہ اس سے لوگوں کا دل خوش ہوگا اور مسلمان کا جی خوش کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے تو یہ ریا میں داخل نہیں بلکہ طاعت ہے تو جب ہر مسلمان کا راضی کرنا عین ارضاء حق ہے تو شیخ کا تو بہت زیادہ حق ہے۔

ضرر اور نقصان سے بچنے کے لئے کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرنا ریا مذموم میں داخل ہے یا نہیں؟

ایک بات یہ بھی معلوم کرنے کی ہے کہ ارضاء خلق کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی سے اندیشہ ضرر کا ہو اس لئے اس کو راضی کرنے کی فکر کرے تو یہ حقیقت میں ارضاء نہیں بلکہ تحرز عن ضرر عدم الارضاء جو بوجہ اندیشہ مضرت کے اختیار کیا گیا ہے تو یہ جائز ہے (یعنی اس کو راضی نہ کرنے سے جو ضرر اور نقصان لاحق ہوسکتا ہے اس سے بچنے کی تدبیر کرنا ہے جو جائز ہے) اور اس سے معلوم ہوا کہ ارضاء و عدم ارضاء کے درمیان میں ایک واسطہ بھی ہے یہ تقسیم حاصر نہیں، ایک صورت ایسی بھی نکل سکتی ہے جو نہ ارضاء خلق میں داخل ہے نہ عدم ارضاء میں بلکہ تحرز عن عدم الارضاء میں داخل ہے جس کو صورۃ کوئی ارضاء کہہ سکتا ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے وہ ارضاء میں داخل نہیں کیونکہ ارضاء مقصود نہیں اور منافقین جو حضرات صحابہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے تھے ان کا مقصود تحرز عن ضرر عدم الارضاء بھی نہ تھا، کیونکہ صحابہ کی طرف سے ان کو کچھ مضرت پہنچنے کا اندیشہ تھوڑا ہی تھا کیونکہ اگر وہ کفر ظاہر کرتے اور قتل و غارت میں ہلاک ہوتے تو یہ ضرر اپنے کفر سے خود ہی وہ اپنے کو پہنچاتے۔

(تسلیم و رضا ص ۶۷)

اخلاص اور ریا کا فرق واضح مثال کے ساتھ

بیمار کی عیادت کس نیت سے کرنا چاہئے

اسی طرح بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی میں ایک نیت تو یہ ہے کہ مسلمان کی عیادت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہے اور ایک نیت یہ ہے کہ عیادت سے یہ بیمار خوش ہوگا یہ بھی اخلاص ہے کیونکہ تطییب قلب مومن (یعنی مؤمن کا جی خوش کرنا) بھی عبادت ہے، ایک نیت یہ ہے کہ بیمار کا حق ہے کہ اس کی عیادت کی جائے یہ بھی اخلاص ہے، ایک صورت یہ ہے کہ کچھ نیت نہ ہو بس کسی کی بیماری کا حال سن کر دل کڑھا، اور دل میں دیکھنے کا جوش ہوا اور چلے گئے۔ کوئی غرض دینی یا دنیوی ذہن میں حاضر نہیں یہ بھی اخلاص ہے۔ بس ریا یہ ہے کہ اس نیت سے

عیادت کی جائے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو کل کو یہ مجھے پوچھنے نہ آئے گا یہ دنیوی غرض ہے بس جب تک دنیوی غرض نہ ہو ریا نہیں بلکہ اخلاص ہی ہے۔

اب یہاں سے ایک بزرگ کے اشکال کا جواب ہوگیا کہ حکایات اولیاء میں منقول ہے کہ ایک بزرگ کے سامنے جنازہ لایا گیا تو وہ نماز میں شریک نہ ہوئے لوگوں نے نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں شریک نہ ہوئے؟ فرمایا کہ میں نیت درست کرنے میں رہ گیا، میں اس کا یہ مطلب سمجھا ہوں کہ انہوں نے نفس سے پوچھا کہ تو کس نیت سے اس کی نماز پڑھتا ہے؟ وہ کوئی نیت معین نہ کرسکا، اب تک نیت درست نہ ہوئی تھی۔ اس لئے شریک نہ ہوسکا، میں کہتا ہوں کہ یہ ان پر خاص حالت کا غلبہ تھا ورنہ جب کوئی نیت معلوم نہ ہوئی تھی تو یہ بھی اخلاص تھا۔ ان کو چاہئے تھا کہ ذہن خالی ہونے ہی کی حالت میں شریک ہوجاتے ورنہ اگر اس قاعدہ سے کام نہ لیا گیا تو بہت سے اعمال سے رہ جاؤ گے۔

(تسلیم ورضاء ص ۱۷۱)

قراء اور مظاہرہ قرأت کرنے والوں کے لئے عبرتناک حکایت

حضرت بایزید بسطامی نے ایک مرتبہ سورہ طٰہٰ پڑھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامۂ اعمال میں سورہ طٰہٰ پوری لکھی ہوئی تھی مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ اس آیت کی جگہ کیوں خالی رہی؟ میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ جس وقت تم نے اس آیت کو پڑھنا چاہا اس وقت ایک شخص اس جگہ سے گزر رہا تھا تو تم نے اس کو سنانے کو یہ آیت ذرا بنا سنوار کر پڑھی جس سے ریا ہوگیا۔ اس لئے اس آیت کی تلاوت قبول نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ریاء کس

قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ عارفین کاملین کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ ریا ہوگیا، اس لئے اس کا علاج اور علاج کے بعد ہمیشہ نفس کی نگہداشت ضروری ہے، ورنہ بعض دفعہ ریا ایسا بڑھ جاتا ہے کہ انسان مخلوق سے گذر کر خالق کے ساتھ ریا کرنے لگتا ہے اور تمام عادات ذمیمہ کی یہی حالت ہے کہ جب ان کی جڑ جم جاتی ہے تو خالق کے ساتھ بھی ان عادات کو استعمال کرتا ہے۔

حق تعالیٰ کے ساتھ ریا

اس پر شاید سامعین کو تعجب ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریا کرنے کی کیا صورت ہے؟ سنئے مثلاً ایک شخص مختصر نماز پڑھ رہا تھا پھر اس وقت اس کا کوئی معتقد آ گیا تو اس نے نماز لمبی کردی یہ تو کھلی ریا ہے جو ریاء مع الخالق ہے پھر اس نے خلوت میں نماز پڑھی تو اب بھی نماز کو لمبی کرتا ہے اس خیال سے کہ مخلوق کے سامنے تو پھر بھی طویل ہی نماز پڑھنا ضروری ہے سو کبھی حق تعالیٰ یوں نہ کہیں کہ مخلوق کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور میرے سامنے مختصر پڑھتا ہے تو یہ لمبی نماز خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے سامنے ریا باقی رکھنے کے لئے ہے یہ ریاء مع اللہ ہے۔ ایسے ہی تکبر میں جب غلو ہوجاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہوجاتی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا ہے رونے کی سی صورت بنا کر گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آتی ہے۔

(تسلیم ورضاء ص ۲۸)

ریا کا ایک دقیق شعبہ

مخلوق کے لئے عمل کرنا بھی ریا اور ترک کردینا بھی ریا ہے

اس سے تصوف کا یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ مخلوق کے لئے عمل کرنا بھی ریا ہے اور ترک کرنا بھی ریا ہے، مخلوق کے لئے کسی عمل عبادت کو ترک کرنا تکبر تو ہے ہی جیسا کہ اوپر کی مثال میں گزرا، ریا اس لئے ہے کہ عین اشتغال بالعبادت کے وقت مخلوق پر اس کی نظر رہی اور اس کی نظر میں معظم رہنا چاہا۔

ایک فرع تو اس مسئلہ کی یہ تھی یہ تو کھلی ہوئی ہے، ایک شعبہ ریا کا اور ہے جو بہت دقیق ہے وہ یہ کہ محققین کے نزدیک عبادات کے اخفاء کا اہتمام کرنا بھی ریا ہے؟ یہ شعبہ ایسا دقیق ہے کہ اہل ظاہر نے اس کو ریا نہیں سمجھا مگر مبصرین طریق کے نزدیک یہ بھی ریا ہے وہ کہتے ہیں کہ اخفاء عن الخلق کا اہتمام وہی کرے گا جس کی نظر مخلوق پر ہو اور جس کی نظر مخلوق سے اٹھ جائے اور اپنے سے بھی اٹھ جائے کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کام لے رہے ہیں میں خود کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اخفاء کا اہتمام نہ کرے گا کیونکہ جب وہ مخلوق کو لاشے محض سمجھتا ہے تو ان سے اخفاء کیوں کرے گا اور جب اپنے عمل کو اپنا عمل ہی نہیں سمجھتا بلکہ فضل حق سمجھتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے اس پر عجب کا اثر کیوں ہوگا لیکن اس شعبہ کا ریا ہونا پہلے شعبہ کے برابر نہیں پہلی صورت تو مطلقاً ریا ہے اور دوسری صورت یعنی اخفاء اعمال کبھی ریا ہے اور کبھی ریا نہیں مثلاً جس شخص کے لئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کردیا ہو اس کے لئے اخفاء عمل ریا نہیں یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے

نزدیک اپنے لئے اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کے لئے بھی اخفاء عمل ریا نہیں مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہوجانے سے کوئی مبصر نہیں ہوسکتا صائب نے خوب کہا ہے۔

بنمائی بصاحب نظرے گوہر خودرا عیسی نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

یعنی چند جاہلوں کی تعریف سے تم عیسیٰ نہیں ہوسکتے یعنی صاحب کمال اور مبصر نہیں ہوسکتے بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے اولاً مجاہدہ کی اور کسی مبصر کی جوتیاں سیدھی کرنے کی، پھر وہ جب یہ کہہ دے کہ تم مبصر ہوگئے اس وقت تمہارا اجتہاد قبول ہوگا۔

پھر شیخ کی تصدیق کے بعد بھی اس کی ضرورت رہتی ہے کہ نفس کا امتحان کرتا رہے، بے فکر و مطمئن نہ ہوجائے کیونکہ مجاہدہ وغیرہ سے نفس شائستہ تو ہوجاتا ہے مگر شائستہ ہوجانے کے یہ معنی نہیں کہ کبھی شرارت ہی نہ کرے، آخر شائستہ گھوڑا بھی تو کبھی شوخی شرارت کیا کرتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ زیادہ شرارت نہیں کرتا اور کبھی کرتا ہے تو ذرا سے اشارہ سے سیدھا ہوجاتا ہے، مگر اشارہ بھی تو جب ہی کرو گے جب اس کی نگہداشت سے غافل نہ ہو، اور اگر بے فکر ہوکر بیٹھ گئے تو ممکن ہے کبھی نفس شرارت کرے اور تم اس کو دبانے کی کوشش نہ کرو تو اس وقت یقیناً وہ تم کو پٹک دے گا جیسے سوار غافل اور بے فکر ہوکر شائستہ گھوڑے پر سوار ہو تو اس حالت میں اگر کبھی اس نے شوخی کی تو سوار ضرور زمین پر گرے گا۔

نفس کو کچلنے کے سلسلہ میں عبرتناک حکایت

ایک شخص نے اپنے نفس کا خوب امتحان کیا کہ ایک مجمع میں ایک مولوی صاحب کی خدمت میں پانچسو روپیہ پیش کئے لوگوں نے بہت تعریف کی ہر طرف

سے واہ واہ ہونے لگی اس نے نفس سے کہا کہ تجھے یہ تعریف اچھی لگی ہوگی، اچھا اب میں تجھے اس سے زیادہ گالیاں سنواؤں گا جتنی واہ واہ سنی ہے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور مولوی صاحب سے کہا کہ یہ رقم میری والدہ کی تھی اور انہوں نے مواقع خیر ہی میں صرف کرنے کے لئے رکھی تھی، اس لئے میں دلالۃً اذن سمجھ کر یہ رقم آپ کو دے گیا، اب جو میں نے اپنے فعل کی ان کو اطلاع کی تو وہ خفا ہوئیں لہٰذا یہ رقم واپس فرما دیجئے۔ مولوی صاحب نے رقم واپس کر دی اب تو لوگوں نے خوب صلواتیں سنائیں کہ اول تو نام کرنے کے لئے پانچ سو روپیہ دے دیئے پھر دل دکھا ہوگا، اس واسطے ماں کا بہانہ کر کے واپس لے گیا، مگر اس شخص کو ان گالیوں میں مزا آرہا تھا کیونکہ اس کا مقصود ارضاء حق تھا، ارضاء خلق مقصود نہ تھا۔ پھر رات کو خلوت میں جا کر وہ رقم مولوی صاحب کو دی اور کہا یہ رقم میری ہی تھی مگر میں نے والدہ کا بہانہ کر کے اس لئے واپس لی کہ مجمع میں دینے سے میرے نفس کو لوگوں کی تعریف اچھی معلوم ہوئی تھی تو میں نے اس کی اصلاح کرنا چاہی اب خلوت میں دیتا ہوں اور کسی سے اس کے تذکرے کی ضرورت نہیں۔

مگر یہ وہی کر سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو کسی کامل کے سامنے پامال کر دیا ہو اور اپنے دائرہ اختیار کو فنا کر دیا ہو اور آج کل تو یہ حالت ہے کہ مرید پہلے دن پیر کا بھی پیر بننا چاہتا ہے۔

(ارضاء الحق ص ٣٢)

باب ۳

توحید کے مختلف درجات

توحید اعتقادی وتوحید قصدی

توحید مطلوب کے مختلف درجات ہیں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات وصفات میں واحد و یکتا سمجھنا اس درجہ کا عنوان'' **لا معبود الا اللہ** '' ہے اور بحمد للہ یہ درجہ توحید کا سب مسلمانوں کو حاصل ہے اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں اور ایک توحید قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا سمجھے کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے اس درجہ کا عنوان'' **لا مقصود الا اللہ** '' ہے۔ (تسلیم ورضا ١٥٦)

اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور اس درجہ توحید کا مقابلہ شرک قصدی ہے یعنی غیر حق کو مطلوب و مقصود بنانا اور اسی شرک کا ایک فرد ریا بھی ہے اور یہ دونوں درجے توحید کے مطلوب ہیں، اور ایک تیسرا درجہ اور ہے مگر وہ توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں ہے گو عام طور پر لوگ اس کو توحید ہی کا درجہ سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ وہ ان درجات توحید کا ذریعہ اور سبب ہے کہ اس سے ان درجات مطلوبہ کے حصول وکمال میں سہولت ہو جاتی ہے وہ خود مقصود نہیں۔ اس کا نام توحید وجودی ہے، یعنی حق تعالیٰ کو وجود میں واحد اور یکتا سمجھنا جس کا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کے وجود کا اثر اس کی طبیعت پر نہ ہو جس سے خوفاً رجاءً متأثر ہو جائے بلکہ بجز وجود حق کے سب کے وجود سے قطع نظر ہو جائے اور یوں

سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود اس قابل نہیں جس سے خوف ورجاء (امید) کو متعلق کیا جائے، جیسے کوئی شخص کلکٹر صاحب کا مقرب ہو جائے تو اب وہ باورچی اور سپاہی اور خانساماں سے متأثر نہ ہوگا، اب اس پر خانساماں اور سپاہی کا وہ اثر نہیں ہوتا جو پہلے تھا کہ ان سب سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، اب وہ بجز کلکٹر کے کسی ماتحت سے نہ ڈرے گا، نہ کسی کی خوشامد کرے گا۔ (تسلیم ورضا ص ۱۵۷)

مخلوق کی رضا کو مقصود بنانا شرک ہے اس کا علاج توحید قصدی حاصل کرنا ہے

میں یہ کہہ رہا تھا کہ رضائے خلق پر نظر رکھنا (یعنی محض مخلوق کو دکھلاوے اور خوش کرنے کے لئے کام کرنا) شرک کی ایک فرد ہے خواہ (شرک) اصغر ہی ہو کیونکہ ریا اسی کی فرع ہے اور اس کو احادیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے پس یہ نہایت سخت مرض ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ توحید قصدی حاصل کرو، اور مراقبہ وذکر سے ''لامقصود الااللہ'' کو اپنے اوپر غالب کرو اس کے بعد انشاء اللہ تم رضائے خلق کو رضائے حق پر ہرگز ترجیح نہ دوگے۔ (تسلیم ورضا)

کمزور طبیعت والے مایوس نہ ہوں

اب ایک شبہ رہا وہ یہ کہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو ہزار مراقبوں سے بھی ''لامقصود الا اللہ'' کا غلبہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ غیر حق کی مقصودیت کا خیال برابر قائم رہتا ہے تو سنئے ان کے لئے بھی تدبیر موجود ہے۔ وہ ناامید نہ ہوں یہ لوگ یوں کریں کہ اپنے اختیار سے ہر کام میں رضائے حق کا قصد کریں اور اپنے اختیار سے رضائے خلق کا قصد نہ کریں اور بلاقصد کے اگر رضائے خلق کا وسوسہ یا خیال آئے تو اس کی مطلق پرواہ نہ کریں بلکہ ہمیشہ یوں ہی کرتا رہے کہ اپنے اختیار وارادہ سے رضائے حق کا قصد کیا کرے، تجربہ ہے کہ رذائل کے خلاف عمل کرنے سے چند روز میں اس عمل کی عادت ومشق ہو جاتی ہے پھر رذیلہ کے خلاف عمل کرنے میں کچھ دشواری نہیں ہوتی بلکہ رذیلہ کمزور ہو جاتا ہے جس کی مقاومت (مقابلہ) سہل ہو جاتی ہے۔

ہمارے حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے رذائل کا ازالہ نہ کرو صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضروری نہیں اضمحلال بھی کافی ہے، مگر اضمحلال (مغلوب اور کمزور) کے لئے اس کی مشق ضروری ہے اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے، یہ نہ ہو کہ دو دن مخالفت کرکے اپنے کو کامل سمجھنے لگے، کثرت تکرار کی خاصیت ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔

اپنے لئے کچھ تجویز کرنا یہی بڑی غلطی ہے

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ اوروں کی مظہریت تکوینی ہے کہ ان کے وجود سے صرف تکوین حق کا ظہور ہوتا ہے اور اہل اللہ کی مظہریت تشریعی بھی ہے کہ ان کے وجود سے احکام شرعیہ کا ظہور ہوتا ہے یعنی ان سے انہی اعمال کا ظہور ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں غرض ارادہ کا فنا نہ کرنا اور اپنے لئے کچھ تجویز کرنا یہی غلطی ہے، ارضاء خلق اسی کا شعبہ ہے۔

ارضاء خلق اور ریا سے بچنے کا طریقہ

اگر ارضاء خلق اور ریا سے بچنا چاہتے ہو تو فنا کا طریق اختیار کرو، بدون کامل

کے ریاء سے حفاظت نہیں ہوسکتی جیسا کہ مفصلاً مذکور ہوا، اور ایسا شخص فناء خلق میں ضرور گرفتار رہے گا جس کے بعض مراتب ایسے ہیں جو توحید واجب کے بھی خلاف ہیں مثلاً ارضاء خلق (مخلوق کو راضی کرنے) کے لئے شرائع (احکام الٰہیہ مثلاً نماز وغیرہ) کو مؤخر کر دینا یا ترک کر دینا یہ سخت حالت ہے۔

(تسلیم و رضا ص ۴۴)

حضرت یوشع علیہ السلام اور بلعم باعور کا قصہ

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت یوشع علیہ السلام عمالقہ پر جہاد کرنے تشریف لے گئے تو عمالقہ میں بلعم باعور ایک عابد زاہد مستجاب الدعوات تھا، وہ لوگ اس کے پاس گئے کہ یوشع علیہ السلام اور ان کی قوم پر بددعا کرو اس نے انکار کیا کہ وہ نبی ہیں اور نبی پر بددعا کرنا کفر ہے، لوگوں نے اس کی بیوی کو مال و زر کا لالچ دیا کہ کسی طرح بلعم باعور کو بددعا پر آمادہ کرے، بیوی نے اس پر زور دیا تو اس نے اس کو وہی جواب دیا کہ نبی کے مقابلہ میں بددعا کرنا کفر ہے ہرگز بددعاء نہ کروں گا۔ بیوی نے کہا کہ اچھا تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرو، وہ احمق استخارہ پر راضی ہوگیا حالانکہ یہ بات محل استخارہ نہ تھی، کیونکہ استخارہ ان امور میں مشروع ہے جس کی دونوں جانبیں اباحت میں مساوی ہوں اور جس فعل کا حسن یا قبح (اچھا یا برا ہونا) دلائل شرعیہ سے متعین ہو ان میں استخارہ مشروع نہیں۔

درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست   ہم در شرور حاجت ہیچ استخارہ نیست

پہلی حماقت تو اس نے یہ کی کہ اس امر میں استخارہ کو حجت سمجھا، پھر جب استخارہ کیا تو اس کو بذریعہ کسی فرشتہ کے غیب سے سخت تنبیہ کی گئی کہ اگر تو نے بددعا

کی تو سب عبادت و مجاہدہ وغیرہ غارت ہوجائے گا اور تو مردود ہوجائے گا، اس نے بیوی سے بیان کیا کہ مجھے سخت تنبیہ کی گئی ہے اور میں بددعا نہ کروں گا اس نے کہا کہ ایک دفعہ کا استخارہ حجت نہیں، ممکن ہے کہ تمہارے خیال میں جو بات جمی ہوئی ہے وہی استخارہ میں مختلط (مشتبہ) ہوگئی ہو چند بار اور استخارہ کرو، چنانچہ دوسری دفعہ پھر کیا اور اب بھی سخت تنبیہ کی گئی، تیسری بار پھر کیا اس دفعہ بھی سخت ملامت و زجر ہوا، چوتھی بار جو استخارہ کیا تو اب کچھ تنبیہ نہ ہوئی، بیوی نے کہا کہ بس معلوم ہوگیا کہ یہ فعل جائز ہے اور تین مرتبہ جو تم کو تنبیہ و زجر کا انکشاف ہوا ہے یہ وہی منکشف ہوا جو پہلے سے دل میں جما ہوا تھا، اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو چوتھی بار میں تنبیہ کیوں نہ ہوئی۔

اس کمبخت نے دوسری حماقت یہ کی کہ وہ بھی یہی سمجھ گیا کہ چوتھی دفعہ میں تنبیہ نہ ہونا اس کے جواز کی علامت ہے اور بددعا کے لئے آمادہ ہوگیا، یہ نہ سمجھا کہ تنبیہ و زجر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے اور تین بار تنبیہ ہونا تو قدر ضرورت سے بھی زیادہ تھا، جب تو نے تین بار اس کو دفع کیا اور اس سے متأثر نہ ہوا تو اب حق تعالیٰ کو بار بار تنبیہ کی کیا ضرورت تھی، یہ ان کا تھوڑا فضل و احسان تھا کہ جس کام کے لئے استخارہ مشروع بھی نہ تھا اس میں تجھ کو تین دفعہ استخارہ ہی میں متنبہ کیا، جب تو نے بار بار اعراض کیا تو ادھر سے بھی اعراض ہوگیا۔ چنانچہ کمبخت نے نبی کے مقابلہ میں بددعا کی، اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا بددعا کرتے ہی ایمان سلب ہوگیا، اور دنیا میں یہ عذاب نازل ہوا کہ بددعا کے ساتھ ہی زبان کتے کی طرح باہر لٹک گئی۔

خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ذٰلِکَ ھُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ۔

تو حضرت کھٹک بھی ایک فرشتہ غیبی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو

متنبہ کرتا ہے، جب بار بار تم اس کو دباؤ گے تو وہ خاموش ہو جائے گا اور یہ سخت بات ہے۔

بعض لوگ ممکن ہے یوں کہیں کہ جب ہم نے قواعد شرعیہ کے مطابق ایک کام کیا ہے تو پھر کھٹک پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ان سے میں کہتا ہوں کہ شریعت کا یہ بھی تو ایک قاعدہ ہے۔ اِلاثُمُ مَاحَاکَ فِیُ صَدُرِکَ کہ گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو پھر تم نے اس قاعدہ پر عمل کیوں نہ کیا اور جب کسی عمل کے متعلق دل میں کھٹک پیدا ہوئی تھی اس کو کیوں نہ چھوڑا؟

ایک اہم قاعدہ

میرے ایک دوست نے خوب کہا ہے کہ جب علماء کسی فعل کے جواز وعدم جواز میں اختلاف کرتے ہیں اور کوئی اسے واجب وضروری نہ کہے تو اس کو ترک کر دینا چاہئے ۔ واقعی ایمان کی سلامتی اسی میں ہے، کیونکہ جس بات کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہو اس کو کرتے ہوئے دل میں کھٹک ضرور ہوگی، اور جس بات میں کھٹک ہو وہ حدیث کی رو سے گناہ کا فرد ہے۔ (تسلیم ورضا ص ١١٣)

پڑھے لکھے لوگوں کی غلطی

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل عام طور پر رضائے خلق کو رضاء حق پر ترجیح دی جا رہی ہے اور جو لکھے پڑھے ہیں وہ کھینچ تان کر اس کو رضاء حق پر منطبق کرتے ہیں، مگر جس انطباق کے لئے یہ تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت ہو وہ انطباق نہیں ہمارے ماموں صاحب کا مقولہ ہے ”کلامیکہ محتاج یعنی باشد لایعنی است“ مطلب

یہ ہے کہ جس مراد کا انطباق کلام پر ظاہر نہ ہو اور اس کے تطبیق کے لئے تاویل بعید یا تحریف سے کام لیا جائے اور یعنی یعنی کے ساتھ اس کو بیان کیا جائے وہ لایعنی ہے۔ (تسلیم ورضا ص ١١٦)

تاویل وہ کرو جو خدا کے سامنے بیان کر سکو

تاویل وہ کرو جو خدا کے سامنے بھی بیان کر سکو، اور بس میں سب کو یہی معیار بتلاتا ہوں کہ جس بات سے دل میں کھٹک پیدا ہوا اور تم تاویل سے اس کو رضائے حق پر منطبق کرنا چاہو تو دل سے پوچھ لو کہ یہ تاویل خدا تعالیٰ کے سامنے بھی بیان کر سکتا ہے؟ یقیناً غلط تاویل کے متعلق دل ایک بار تو یہ ضرور کہہ دے گا کہ خدا کے سامنے یہ بات نہیں چل سکتی بس اسی سے سمجھ جاؤ کہ یہ بات بنائی ہوئی ہے اور اگر اب نہیں سمجھو گے تو وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جس میں اچھی طرح ان تاویلوں کی حقیقت سمجھا دی جائے گی۔

فسوف تریٰ اذا انکشف الغبار أفرس تحت رجلک أم حمار

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

یَوُم تُبُلَی السَّرَائِرُ فَمَالَه‘ مِنُ قُوَّةٍ وَّلاَ نَاصِرٍ

گھبراؤ نہیں انکشاف سرائر (یعنی خفیہ باتوں کے انکشاف) کا وقت بھی عنقریب آنے والا ہے اس وقت ان تاویلوں کو بیان کرنا جن سے آج تم دل کی کھٹک کو دبا رہے ہو پس سلامتی اسی میں ہے کہ جس کام میں کھٹک ہو اور جس میں علماء کا اختلاف ہو تو وہاں اس شخص کا اتباع کرو جس پر زیادہ اعتقاد ہو۔

فاتحہ خلف الامام میں صوفیہ اپنے امام کے قول کو نہیں چھوڑتے کیونکہ گو امام

شافعی قرأت خلف الامام کو فرض کہتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں باقی جن مسائل میں جواز وعدم جواز کا اختلاف ہو ان میں صوفیہ کا بھی عمل یہی ہے کہ وہ اس فعل کو ترک کر دیتے ہیں اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ الصوفی لامذہب لہ یہ مطلب نہیں کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے ورع اور تقویٰ اسی کا نام ہے ہمارے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

رعایۃ الخلاف والخروج منہ اولیٰ مالم یرتکب مکروہ مذہبہ۔

کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔

اہل علم واہل مدارس کے لئے ضروری مضمون

پس جو لوگ تاویلیں کر کے ناجائز کو جائز بنا لیتے ہیں اور دل کی کھٹک پر توجہ نہیں کرتے اور وہ خوش ہیں کہ جب ہم نے قواعد شرعیہ کے موافق کام کیا ہے تو پھر کھٹک پر کیوں توجہ کریں وہ یاد رکھیں کہ الاثم ماحاک فی صدرک (گناہ وہ ہے، جو تمہارے دل میں کھٹکے) بھی قاعدہ شرعیہ ہے اس پر بھی تو عمل کرو اس کی کیا وجہ ہے کہ روپیہ حرام مال کا آیا اور دل میں اس سے کھٹک پیدا ہوئی اور تم تاویلیں کر کے اس کو لینا چاہتے ہو اور نفس چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا لینا ہی جائز ہو جائے، اور کسی عالم نے اگر اس کو حرام کہہ دیا تو اس کے فتوے پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ دوسرے اور تیسرے عالم سے استفتاء کیا جاتا ہے اگر کسی نے اس کو جائز کہہ دیا تو اب دل میں کی کھٹک کو اس فتوے سے دفع کرتے ہیں سو یہ تاویل باطل ہے۔

تاویل حق کا معیار

یاد رکھو! تاویل حق وہ ہے جو بے ساختہ قلب میں آجائے اور اس کے لئے کوشش نہ کی جائے اور کوشش کو جاری نہ رکھا جائے اور جس تاویل کے لئے کوشش کرنا اور اس کو جاری رکھنا پڑے وہ تاویل نہیں بلکہ تعلیل ہے یعنی دل کا بہلانا پھسلانا ہے ورنہ چاہئے تھا کہ جب تمہارے دل میں از خود کھٹک تھی تو اس مسئلہ میں اسی عالم کا قول اختیار کیا جاتا جو اس روپیہ کو حرام بتلاتا ہے، کیونکہ اس کا فتویٰ تمہارے دل کے فتوے کے مطابق ہے مگر حالت یہاں یہ ہے کہ فتویٰ حرمت کے بعد بھی اس کی کوشش ہے کہ کوئی عالم اس کو جائز کر دے، تو ایک بہانہ روپیہ لینے کے لئے ہاتھ آجائے پس یہ تاویل نہیں بلکہ بہانہ ہے جس کا منشاء اتباع ہوائے نفس ہے، جس کا علاج ضروری ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے کہ کسی محقق کی جوتیاں سیدھی کرو۔ (تسلیم ورضا وعظ ارضاء الحق ص۱۲۲)

مگر پیر کے واسطے ضرورت ہے محق (یعنی حق والا) ہونے کی اور محقق ہونے کی محق ہونے کے تو معنی یہ ہیں کہ اس کے عقائد صحیح ہوں، متبع سنت ہو، اور محقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نفس کے دسائس (یعنی چالبازیوں) پر اس کی نظر گہری ہو بدون ان دونوں کے پیر کامل نہ ہوگا پیر اگر محق ہوا اور محقق نہ ہوا تو اس کی نیت تو درست ہوگی، مگر نگاہ دور تک نہیں پہنچے گی۔

محقق ومحق ومبطل کی حقیقت ایک مثال سے آپ پر واضح ہو جائے گی مثلاً ایک پیر کی دعوت کی گئی اور جس وقت آدمی بلانے آیا، اس وقت اس کے پاس مریدوں کا مجمع تھا وہ بھی ساتھ ہو لیئے اگر وہ مبطل (اہل باطل) ہے تو اس کو اس

طرف التفات ہی نہ ہوگا کہ دوسروں کو ساتھ لینا حرام ہے بلکہ وہ تو اصرار کر کے سب کو ساتھ لے جاتا ہے اور بعض ان میں سے یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ جب ہماری دعوت کی گئی ہے تو مریدوں کی بھی دعوت کی گئی ہے کیونکہ **الشی اذا ثبت ثبت بلوازمه** اور مرید ہمارے لوازم میں سے ہیں، تو یہ بھی مدعو ہیں جیسے بہت لوگ اسی تاویل سے دعوت میں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔

ایک شخص کی اولاد نہ تھی اس نے بچھڑا پال رکھا تھا وہ اپنے ساتھ دعوت میں بچھڑے کو لے گیا، لوگوں نے کہا یہ کیا حرکت ہے کہا سب لوگ اپنے اپنے بچوں کو بدون بلائے ساتھ لائے ہیں میرے کوئی لڑکا نہیں ہے یہی بچھڑا بجائے اولاد کے ہے میں اس کو ساتھ لے آیا تو کیا گناہ ہوا۔

اور اگر محق (یعنی حق پرست) ہوا تو اس کو مریدوں کے ساتھ ہونے سے کھٹک تو ضرور پیدا ہوگی مگر وہ بہت سے بہت یہ کرے گا کہ ظاہر حدیث پر عمل کر لے گا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی ایک شخص آپ کے ساتھ ہولیا جب آپ داعی کے گھر پر پہنچے تو داعی سے فرمایا کہ یہ شخص بدون بلائے ہمارے ساتھ ہولیا ہے اب اگر تم اجازت دو گے تو یہ اندر آجائے گا ورنہ لوٹ جائے گا۔

یہ محق (یعنی حق پرست غیر محقق) بھی اسی پر عمل کرے گا کہ داعی کے گھر پہنچ کر اس سے کہہ دے گا کہ یہ مجمع میرے ساتھ آگیا ہے اگر تم اجازت دو یہ بھی کھانے میں شریک ہوجائیں ورنہ واپس ہوجائیں مگر محقق کہے گا کہ حدیث تو صحیح ہے لیکن مُحق نے اس کی مراد کو محق کر دیا ہے (یعنی مٹا دیا) حدیث کا مطلب یہ ضروری ہے کہ مدارِ جواز (یعنی اجازت کا مدار) اذن (یعنی اجازت) پر ہے مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کہنے کے بعد ''کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ آگئے ہیں'' داعی جو

اجازت دیتا ہے تو آج کل اس سے اجازت ہوتی ہے یا نہیں؟

سو حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد صحابی کا اجازت دینا تو اذن تھا اور آج کل پیر صاحب کے کہنے کے بعد مرید کا اجازت دینا اذن (اجازت) نہیں کیونکہ اجازت کے لئے طیب نفس شرط ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْئٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا۔

یہ آیت ازواج کے متعلق ہے کہ اگر وہ اپنے مہر میں سے کچھ تم کو طیب نفس کے ساتھ دیدیں تو اس کا کھانا اور لینا جائز ہے، ظاہر ہے کہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ اس تعلق سے زیادہ تعلق بے تکلفی کا نہیں ہوسکتا، جب یہاں بھی طیب نفس (یعنی دلی مرضی) کی شرط ہے تو اور جگہ طیب نفس کی ضرورت کیوں نہ ہوگی، اور حدیث میں ہے۔

الالایحل مال امرء مسلم الابطیب نفس منه۔ (بیہقی)

اور اذن بطیّب نفس کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کو (اجازت نہ دینے) پر بھی قدرت ہو، اور تجربہ یہ ہے کہ یہاں مرید پیر کے اجازت لینے کے بعد عدم اذن (یعنی اجازت نہ دینے) پر قادر نہیں ہوتا، اس لئے یہ اذن معتبر نہیں۔

شاید کوئی فلسفی دماغ یہ کہے کہ پھر صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استیذان کے بعد عدم اذن پر قادر نہ ہوں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنے ساتھ ایسا بے تکلف اور آزاد کر رکھا تھا کہ وہ دل کی بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کر سکتے تھے۔ صحابہؓ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔

ایک صحابی کی دعوت کا قصہ

چنانچہ حدیث میں ایک صحابی کا قصہ آتا ہے جو فارسی تھے اور شوربا اچھا پکاتے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کہا یارسول اللہ! میں نے آج گوشت عمدہ پکایا اور جی چاہتا ہے کہ آپ بھی نوش فرمائیں، آپ نے فرمایا: وَعَـائِشَةَ کہ حضرت عائشہ کی بھی دعوت کرو، تو وہ صحابی صاف کہتے ہیں کہ نہیں حضرت عائشہ کی دعوت منظور نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پھر ہم کو بھی منظور نہیں وہ صحابی یہ سن کر سیدھے ہی چلے گئے کچھ دور جا کر پھر محبت کا جوش ہوا اور واپس آئے اور کہا: یارسول اللہ تشریف لے چلئے، فرمایا: ”اور عائشہ بھی“ کہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ہم بھی نہیں یہ سن کر وہ پھر لوٹ گئے اور کچھ دور جا کر پھر واپس آئے اور کہا: یارسول اللہ: چلئے فرمایا: ”اور عائشہ بھی“ کہا ہاں! عائشہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ بے تکلف تھے کہ دل کی بات کو صاف صاف عرض کر دیتے تھے، جب تک خود ان کے دل نے حضرت عائشہ کی دعوت منظور نہیں کی اس وقت تک برابر انکار کرتے رہے، یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے شرما کر پہلے ہی مرتبہ میں قبول کر لیتے۔

اور سنئے حضرت بریرہؓ کا واقعہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جب ان کو حضرت عائشہؓ نے آزاد کر دیا تو قانون اسلامی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا کہ جس شخص سے تمہارا نکاح غلامی کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ اب چاہو تو تم اس کو باقی رکھو خواہ فسخ کرو، حضرت بریرۃؓ نے فسخ نکاح کو اختیار کیا ان کے شوہر کو اس کا صدمہ ہوا اور وہ ان کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھرا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اے عباس! دیکھتے ہو کہ مغیث کو بریرۃؓ سے کیسی محبت ہے اور بریرۃؓ کو اس سے کیسی نفرت ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرۃؓ سے فرمایا کہ اے بریرۃؓ! تم مغیث سے پھر نکاح کر لو تو اچھا ہے تو وہ پوچھتی ہیں یارسول اللہ! یہ حکم ہے یا شفاعت ہے؟ فرمایا: شفاعت ہے حکم نہیں ہے“ تو کہا: میں شفاعت کو منظور نہیں کرتی۔

بھلا آج تو کوئی مرید ایسا کر کے دیکھے کہ پیر کی شفاعت کو رد کر دے کہ وہ خود ہی مردود ہو جائے گا مگر حضرت بریرۃؓ کے اس فعل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا نا گواری نہیں ہوئی کیونکہ امر اور شفاعت کا درجہ صحابہؓ کو بتلا دیا تھا کہ امر کی اطاعت واجب ہے اور شفاعت میں قبول وعدم قبول کا اختیار ہے، پھر جب وہ اختیار سے کام لیتے اور کسی معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول نہ کرتے تو آپ کو مطلقاً ملال نہ ہوتا تھا، اگر آج کل بھی کسی پیر نے اپنے مریدوں کو اپنے ساتھ ایسا آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس کے سامنے اپنے دل کی بات کو صاف کہہ سکتے ہوں اور اس کی شفاعت کو بھی کسی وقت رد کر دیتے ہوں، اس کو یہ جائز ہے کہ اپنے ساتھ دعوت میں کسی کو لے جائے اور داعی سے کہہ دے کہ میں اس کو ساتھ لایا ہوں اگر اجازت دو تو یہ کھانے میں شریک ہو ورنہ لوٹ جائے اور جس نے اتنا بے تکلف اور آزاد نہ کیا ہو اس کو یہ حق حاصل نہیں کیونکہ اس کے استیذان (اجازت لینے) کے بعد مرید کو اجازت (دینے پر) پر قدرت نہ ہوگی، اور اس صورت میں بطیّب نفس (یعنی دل کی مرضی سے) اجازت کا تحقق نہ ہوگا، وہ شرما کر اجازت دیدے گا اور قلب میں گرانی ہوگی۔ (تسلیم ورضا ص۱۲۴)

ہر اجازت بھی معتبر نہیں خصوصاً آج کل

غرض آج کل تو ایسی صورت میں طیبِ نفس سے اذن نہیں ہوتا چاہے لہجہ کتنا ہی کڑاکے کا ہو، کیونکہ بے ساختہ لہجہ کی اور شان ہوتی ہے اور بنائے ہوئے لہجہ کی اور شان ہوتی ہے، پرکھنے والے اس کو پرکھ لیتے ہیں جس کے دل میں انشراح نہ ہو وہ چاہے کتنا ہی کڑاکے سے اجازت دے مبصر (اور تجربہ کار) اس کے دل کی حالت کو تاڑ لے گا۔

دیکھو بعض دفعہ بچہ بھی بہت کڑاکے سے روتا ہے مگر محلّہ والے جان لیتے ہیں کہ بچہ رو رہا ہے بڑا آدمی نہیں رو رہا جیسے ان کو باوجود کڑاکے کی آواز کے ضعف کا احساس ہو جاتا ہے ایسے ہی مبصر کو ایسے موقع میں ضعف قلب کا احساس ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ شہادت قلب سے کام لے ایسے ہی مواقع کے لئے تو ارشاد ہے۔

اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَکَ وَلَوۡ اَفۡتَاکَ الۡمُفۡتُوۡنَ۔

(اپنے دل سے پوچھو اگرچہ مفتی لوگ تم کو جواز کا فتویٰ دیں)

شہادتِ قلب اور اطمینانِ قلب کے بغیر کسی کا مال کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں

اس لئے آج کل اجازت پر بھی بغیر شہادتِ قلب کے عمل نہ کیا جائے جہاں قلب شہادت دے کہ دوسرے نے خوشی سے اجازت دیدی ہے وہاں اجازت ہے بلکہ اگر دل گواہی دے کہ اس شخص کو میری اجازت کے بغیر کھانا بھی ناگوار نہ ہوگا بلکہ خوش ہوگا وہاں بغیر اجازت کے کھانا بھی جائز ہے بلکہ چھین کر بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ دوست سخی ہو بخیل نہ ہو کیونکہ بخیل کو کسی سے محبت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو مال کے برابر نہیں ہوتی۔

بعض بخیلوں کی حکایتیں

چنانچہ بخیلوں کی حکایات اس بارے میں کثرت سے سنی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مال سے زیادہ ان کو کسی چیز سے محبت نہیں ہوتی۔

ایک بخیل کی حکایت ہے کہ وہ شہد کھا رہا تھا کہ اتنے میں اس کا دوست آ گیا، اس نے روٹی تو چھپا دی اور تواضع کے طور پر پوچھا کہ شہد کھاؤ گے؟ کہا ہاں اور یہ کہہ کر کھانا شروع کیا، بخیل نے تو اول یہ سمجھ کر تواضع کی ہوگی کہ روکھا شہد کون کھاتا ہے، شاید یہ انکار کر دے گا جب اس نے انکار نہ کیا تو یہ سمجھا کہ شہد دو چار چمچے کھا کر بس کر دے گا مگر اس نے بس ہی نہ کی تو اس سے نہ رہا گیا کہنے لگا، **ماھذا انه یحرق القلب** ۔ کہ میاں زیادہ نہ کھاؤ شہد بہت گرم ہوتا ہے دل کو پھونک دیتا ہے **قال نعم ولکن قلبک** کہا ہاں سچ کہتے ہو لیکن وہ تمہارے قلب کو کھاتا ہے میرے دل کو نہیں۔

اسی طرح ایک بخیل انجیر کھا رہا تھا کہ سامنے سے ایک اعرابی آ گیا اس نے اس کو آتا ہوا دیکھ کر انجیر چادر سے چھپا دیئے وہ سمجھ گیا، جب وہ آ کر بیٹھا تو بخیل نے ٹالنے کے طور پر کہا کچھ قرآن جانتے ہو کہا ہاں کچھ پڑھو تو اس نے پڑھا۔ وَالزَّیۡتُوۡنَ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنُ۔

بخیل نے کہا این **والتین** یعنی والتین کہاں گیا اس نے کہا **ھو تحت**

کسائک کہ وہ تیری چادر کے اندر موجود ہے، تین عربی میں انجیر کو کہتے ہیں، تو بخیلوں سے چھین کر کھانا جائز نہیں، بلکہ اس کی تو اجازت بھی مشکوک ہوتی ہے، ہاں سخی دوستوں سے اگر پوری بے تکلفی ہو تو چھین کر بھی کھانا جائز ہے کیونکہ شہادت قلب موجود ہے اور جہاں قلب شہادت نہ دے وہاں ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ بلکہ واپس کردو اور جب تک کھٹک دور نہ ہو ہرگز نہ لو۔

اور یہ مت سمجھو کہ اگر اس رقم کو واپس کردیں گے تو پھر کہاں سے آئے گی، اگر وہ تقدیر میں ہے تو پھر آئے گی اور اگر تقدیر میں نہیں ہے تو اس کی جگہ دوسری رقم آئے گی، خدا سے ایسے ناامید کیوں ہوگئے کہ بس ایک دفعہ دے کر پھر نہ دیں گے۔

ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ الہامات الٰہیہ لکھے ہیں، ان میں ایک الہام یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے! میں ایسا روزی دینے والا ہوں کہ اگر تو یہ دعا بھی کیا کرے کہ اے اللہ! مجھے رزق نہ دیجیو تو جب بھی میں دوں گا، اور تیرے مانگنے پر تو بھلا کیوں نہ دوں گا۔

صاحبو! پھر حق تعالیٰ سے ایسی بدگمانی کیوں ہے کہ وہ آج دے کر وہ پھر نہ دیں گے، آخر تقدیر بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ پھر تقدیر پر صابر وشاکر کیوں نہیں رہتے۔

ایک اور حکایت

امیر شاہ خان صاحبؒ نے ایک حکایت لکھوائی ہے کہ دہلی میں ایک بزرگ پہنچے اور ان کو کئی دن کا فاقہ پیش آیا، کئی روز کے بعد ایک قاب میں نہایت نفیس پلاؤ آیا انہوں نے کھایا مگر پورا نہ کھایا گیا بلکہ آدھا بچ گیا۔ اب نفس کے ساتھ کشاکشی ہوئی نفس کہتا تھا کہ اس کو شام کے واسطے رکھ لو اور لمۂ خیر (یعنی بھلائی کا ساتھی) کہتا

تھا کہ فقیروں کو دیدو، شام کو اللہ تعالیٰ پھر دیں گے، نفس نے کہا کیا خبر ہے شام کو دیں گے یا نہیں، لمۂ خیر (یعنی اس فرشتہ نے جو انسان کے دل میں خیر کی بات کا القاء کرتا ہے اس نے) نے کہا: خدا تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے، کہا: ہاں! وعدہ تو ہے مگر اس میں کچھ وقت کا تو تعین نہیں، کیا خبر کب دیں گے۔ لمۂ خیر نے کہا: پھر کیا حرج ہے ان کو اختیار رہے جب چاہیں دیں، بالآخر لمۂ خیر غالب آیا اور وہ بچا ہوا کھانا کسی فقیر کو دے دیا، سامنے سے ایک مجذوب نظر آیا اور یہ کہتا ہوا گزر گیا واہ واہ خوب سمجھا یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ اگر یہ بچا ہوا کھانا شام کے واسطے رکھے تو اس کو بھوکا مارو اور عمر بھر کچھ کھانے کو نہ دو، واہ خوب سمجھا، واہ اب خوب دروازہ کھل گیا۔

کھٹک اور شبہ والی رقم بسا اوقات رزق سے محرومی کا ذریعہ بنتی ہے

صاحبو! یاد رکھو بعض دفعہ ایک روپیہ ایسا رکھنا جس سے دل میں کھٹک تھی رزق سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیا کرتے ہیں کہ اس کو ہم پر بھروسہ ہے یا اسباب پر نظر ہے، اس لئے بعض دفعہ ایسی چیز بھیجتے ہیں جس میں شبہ ہو جس کے متعلق اس کے دل میں کھٹک پیدا ہو اب اگر اس نے کھٹک کی وجہ سے اس کو واپس کردیا تو حق تعالیٰ فتوحات کا دروازہ کھول دیتے ہیں، ورنہ باب مسدود ہو جاتا ہے، اب آج کل یہ حالت ہے کہ جو کچھ آ گیا اس کو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے بھیجا ہے پھر اس کو کیوں واپس کریں، یہ نہیں سمجھتے کہ شاید امتحان کے واسطے بھیجا گیا ہو بس اس کی منشا وہی بدگمانی اور تقدیر پر نظر نہ کرنا ہے۔

اگر انسان تقدیر پر نظر رکھے تو اس کے نزدیک جمع کرنا اور واپس کرنا یکساں ہوجائے بلکہ خرچ کرنے کو رزق کی زیادتی کا سبب سمجھے گا، کمی کا سبب نہ سمجھے گا۔

مشتبہ مال کے قبول کرنے اور ذلت والی دعوت سے پرہیز کرنا چاہئے، حضرت رابعہ بصریہؒ کی حکایت

حضرت رابعہ بصریہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کے یہاں کچھ مہمان آگئے گھر میں سوائے دوسوکھی روٹیوں کے کچھ نہ تھا، کچھ دیر کے بعد ایک سائل آیا انہوں نے وہ روٹیاں اٹھا کر مسکین کو دے دیں، مہمانوں نے دل میں شکایت کی کہ یہی دو روٹیاں کھالیتے وہ بھی خرچ کرڈالیں، تھوڑی دیر میں ایک شخص نے آواز دی پوچھا کون ہے؟ کہا فلاں شخص نے آپ کے واسطے کھانا بھیجا ہے آپ نے قبول کیا۔ اور روٹیوں کو گننا شروع کیا تو وہ اٹھارہ تھیں، فرمایا کہ یہ کھانا واپس لے جاؤ یہ میرے واسطے نہیں دیا ہوگا، کسی دوسرے کو دیا ہوگا، لانے والے نے کہا نہیں حضرت آپ کا ہی نام لے کر کہا تھا، فرمایا: یہ تو بے حساب ہے کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں دو روٹیاں خیرات کی ہیں اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک کے بدلے میں کم از کم دس ملیں گی تو اس حساب سے بیس روٹیاں ہونی چاہئیں اور یہ اٹھارہ ہیں اور میرا محبوب وعدہ خلاف نہیں، پس یہ کھانا میرے واسطے نہیں ہوسکتا، لانے والے نے کہا کہ حضرت آپ کا حساب صحیح ہے واقعی بیس ہی روٹیاں تھیں، دو میں نے چرالی ہیں اور میں ان کو بھی لاتا ہوں، آپ کھانا واپس نہ کیجئے یہ قصہ معلوم کرکے آپ کو اطمینان ہوا اور کھانا رکھ لیا۔

واقعی اہل اللہ کے مال میں تو چوری بھی نہیں چھپتی تو دیکھئے ان بزرگ کا یہ اعتقاد تھا کہ خرچ کرنے سے روزی کم نہیں ہوتی، بلکہ بڑھتی ہے اور ایسا پختہ اعتقاد تھا کہ خرچ کرنے کے بعد حساب سے دس گنے کی منتظر رہتے تھے اور اس میں کمی ہوتی تو واپس کردیتے کہ یہ میرے واسطے نہیں ہے کیونکہ بے حساب ہے، مگر ہمارا منطقی نفس یوں کہتا ہے کہ یہ جو بعد میں آیا ہے یہ تو آتا ہی کیونکہ مقدر تھا، اس کے ساتھ پہلا مال بھی جمع رہتا تو میزان کل بڑھ جاتا، مگر یہ غلط ہے اس کے رہنے سے یہ سارا میزان گل ہوجاتا، اس لئے ہم کو تقدیر پر بھروسہ رکھنا چاہئے، اور شبہ کا مال کبھی نہ لینا چاہئے۔ خصوصاً جہاں دعوت قبول کرنے میں علم کی توہین وتذلیل ہوتی ہو وہاں تو ہرگز نہ جانا چاہئے۔

طلبہ گھروں میں دعوتیں کھانے نہ جائیں

کانپور میں جب میرا قیام تھا تو وہاں بھی پہلے یہی قاعدہ تھا کہ طلبہ دعوت میں جایا کرتے تھے، ایک دفعہ میں بھی طلبہ کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں ایک شخص نے مجمع کو دیکھ کر کہا کہ خدا خیر کرے، معلوم نہیں آج کس کے یہاں چڑھائی ہے، یہ کلمہ میرے دل کے پار ہوگیا اور سخت تکلیف ہوئی، خیر میں نے وہ دعوت تو مصیبت کے ساتھ کھائی، مگر وہاں سے آتے ہی یہ قانون مقرر کردیا کہ طلبہ کسی کے گھر پر دعوت کھانے نہ جائیں گے، جس کو دعوت کرنا ہو مدرسہ میں کھانا بھیج دیا کرے، کارکنان مدرسہ نے کہا کہ اس قانون سے دعوتوں میں کمی ہوجائے گی اور دعوتوں سے مدرسہ کو بہت بڑی امداد ملتی ہے، میں نے کہا رزاق اللہ تعالیٰ ہیں کانپور والے رزاق نہیں ہیں اور ایسی دعوتوں کا کم ہونا ہی اچھا ہے جن سے اہل علم

اور علم کی تذلیل ہوتی ہے۔

مگر بحمد للہ اس قانون سے کچھ کمی نہیں ہوئی، اول اول تو لوگوں کو یہ قاعدہ ناگوار ہوا اور کہنے لگے کہ مولوی بڑے دماغدار ہوگئے ہیں کہ ان کے واسطے مدرسہ میں کھانا لاؤ مگر پھر سب سیدھے ہوگئے اور پہلے سے زیادہ دعوتیں ہونے لگیں، کیونکہ پہلے تو جو شخص دعوت کرتا اس کو یہ فکر ہوتی تھی کہ کھانا کم نہ ہوجائے اور بعض مرتبہ عین وقت پر دوبارہ کھانا پکوانا پڑتا تھا اور اب آزادی تھی کہ جتنی جس کو توفیق ہوئی ایک دیگ یا دو دیگ وہ مدرسہ میں بھیج دی کہ اس کو طلبہ میں تقسیم کردو تو اب امیر و غریب سب دعوت کرنے لگے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک انسپکٹر صاحب کا واقعہ

اسی زمانہ میں ایک دفعہ ایک انسپکٹر صاحب نے طلبہ کی دعوت کو کہلا کر بھیجا، معترضین منتظر تھے کہ دیکھیں ان کو کیا جواب ملتا ہے، آیا ان کے مکان پر طلبہ جائیں گے یا ان سے بھی مدرسہ میں کھانا منگایا جائے گا، بہت لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آج یہ قانون ٹوٹ جائے گا، مگر میں نے ان کو بھی صاف جواب دیدیا کہ طلبہ کسی کے گھر جا کر دعوت نہیں کھا سکتے کیونکہ بعض مصالح سے یہی قانون مقرر کردیا گیا ہے، تو وہ انسپکٹر بہت اہل (اور سمجھدار) تھے انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے قانون کو توڑا جائے، جو مصالح کی بناء پر مقرر کیا گیا ہے لیکن اب مجھے یہ بتلایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلبہ کی خدمت کرنا چاہے تو اس کے لئے دوسری صورت کیا ہے؟ میں نے رقعہ میں لکھ دیا کہ اگر آپ دعوت کرنا چاہتے ہیں تو کھانا مدرسہ میں بھیج دیں انہوں نے خوشی کے ساتھ منظور کیا حالانکہ ان کا گھر مدرسہ سے بہت

دور تھا مگر وہیں سے انہوں نے دیگیں بھجوائیں اور اپنے ملازموں کو اور ایک لڑکے کے ساتھ بھیجا کہ تم خود طلبہ کو کھانا کھلاؤ اور جس چیز کی ضرورت ہو فوراً اطلاع دو اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ قاعدہ غریبوں ہی کے واسطے نہیں بلکہ امراء اور حکام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، پھر کسی کو یہ قاعدہ ناگوار نہیں ہوا، اور سب بے تکلف مدرسہ میں بھیجنے لگے تو صاحبو! حق تعالیٰ رزاق ہیں اگر تم ایک رقم کو شبہ کی وجہ سے واپس کردو گے وہ دوسری جگہ سے اس سے زیادہ بھیج دیں گے یا وہی رقم اس حالت میں واپس آئے گی کہ اب شبہ نہ رہے گا، پھر تم باوجود شبہ اور کھٹک کے تاویل کرکے اس کو کیوں رکھنا چاہتے ہو یہ برا مرض ہے۔ (تسلیم رضا ص ۱۳۶)

ہمارے اکابر ایسے تھے

حضرت جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے، مولانا محمد منیر صاحب نانوتہ میں ایک بزرگ تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع ہوگئی تھی، سفر میں کسی نے چرالی اور رقم ذرا زیادہ تھی، انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کردی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہوگئی لیکن ضمان ادا کروں گا، مدرسہ والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب نے ضمان نہ لیں کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں۔

چنانچہ ان سے کہا گیا تو انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدون ضمان دیئے چین نہ آئے گا، مدرسہ والوں نے مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی

منیر صاحب نہیں مانتے، مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو وہ شاید مان جائیں، کیونکہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتوے پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا، حضرت نے فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔

مدرسہ والوں نے یہ فتویٰ مولوی محمد منیر صاحب کو لا کر دکھلایا سو حالانکہ مولوی محمد منیر صاحب مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے، مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر ان کو بڑا جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجے میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطے پڑھا تھا ذرا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں، اگر ان کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتوے پر عمل کرتے یا ادا کئے بغیر چین نہ ملتا۔ لے جاؤ میں کسی کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا، آخر انہوں نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نہ معلوم کس طرح مدرسہ کی رقم ادا کی جب چین پڑا۔

(ارضاء الحق ص ۱۲۷)

حضرت اقدس تھانویؒ کی احتیاط وتقویٰ

ایک اور قصہ تاویل کا سنئے میں نے ایک دفعہ مراد آباد میں اثناء وعظ میں بلقان کی تحریک کے لئے لوگوں نے چندہ دینا شروع کیا۔ ایک تحصیلدار صاحب نے بھی کسی جوقدر مخبوط الحواس بھی تھے سو روپیہ دیئے اس وقت تو میں ان کے چندہ سے خوش ہوا کیونکہ **الدال علی الخیر کفاعله** کے موافق تحریک کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے لیکن بعد میں اس نے مجھے بتلایا جیسے ثواب ملتا ہے کبھی سوا استعداد مدلول سے عذاب بھی ملتا ہے گو دنیوی ہی سہی، واقعہ یہ ہوا کہ اس شخص نے مجلس

ہلال احمر مراد آباد سے یہ درخواست کی کہ میرے سو روپیہ کی رسید قسطنطنیہ سے الگ منگا کر دو، اراکین مجلس نے اس سے انکار کیا، کیونکہ وہاں سو روپیہ کو پوچھتا کون ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب دس بارہ ہزار جمع ہو گئے اس کی ایک قسط بھیج دی گئی، وہاں سے اس قسط کی رسید آ گئی، الگ الگ سو پچاس کی رسید نہیں آ سکتی، جب اراکین مجلس نے اس سے انکار کیا تو اس نے مجھے نوٹس دیا کہ میں نے آپ کی تحریک پر چندہ دیا تھا اب یا تو آپ میرے سو روپیہ کی الگ رسید منگوا کر دیں ورنہ میں دعویٰ کر دوں گا، میں نے مراد آباد میں اپنے احباب کے پاس سو روپیہ اپنے پاس سے بھیجد یئے کہ یہ ان تحصیلدار صاحب کو دیدو اور ان سے باقاعدہ رسید لے لو تا کہ وہ پھر کچھ نہ کہہ سکیں، دوستوں نے مجھے لکھا کہ آپ پر یہ تاوان کیوں ڈالا جائے، ہم اپنے پاس سے چندہ کر کے یہ سو روپیہ ادا کر دیں گے اور آپ کی رقم واپس ہے۔ جب وہ سو روپیہ میرے پاس واپس آئے تو میں نے منظور نہ کئے بلکہ دوبارہ ان ہی کو واپس کر دیئے کہ اب میں ان کو واپس نہ لوں گا، اسی طرح چند بار لوٹ پھیر ہو کر جانبین کے اتفاق سے وہ رقم ایک نیک مصرف میں لگا دی گئی، اس دوران میں ایک عالم صاحب میرے پاس آئے ہوئے تھے جو صاحب درس بھی تھے، صاحب فتویٰ بھی وہ کہنے لگے کہ آپ نے اپنے پاس سے یہ رقم کیوں بھیجی، آخر آپ کے پاس اس مد کی اور بھی تو رقم ہو گی میں نے کہا ہاں ! موجود ہے، کہنے لگے بس اسی میں سے یہ تاوان ادا کر دیا ہوتا، میں نے کہا سبحان اللہ ! جن لوگوں نے اس چندہ میں مجھے رقم دی ہے وہ ترکوں کو بھیجنے کے لئے دی ہے یا اس واسطے دی ہے کہ میں اس سے ناگہانی تاوان بھی ادا کیا کروں، وہ تاویل سے اس کو جائز کرنے لگے اور وہ تاویل یہ تھی کہ اگر وہی رقم تحصیلدار کی محفوظ ہوتی تو اس کا واپس کرنا تو جائز تھا ہی، اور

چونکہ مد متحد ہے اس لئے مد کی تمام رقمیں اس رقم کے ساتھ متحد ہیں میں نے کہا ان گندی تاویلات سے مجھے معاف کیجئے، خیر یہ تاویل تو بہت ہی صریح البطلان تھی لیکن جہاں محتمل الصحۃ بھی ہو، مگر دل قبول نہ کرے وہاں بھی اس پر عمل نہ کیا جائے ایسے ہی مواقع کے لئے یہ حکم ہے۔ **استفت قلبک ولو افتاک المفتون۔**

کہ باطنی مفتی کے خلاف ظاہری مفتی کا قول نہ لیا جائے خصوصاً جب کہ مفتی خود ہی مفتون ہو (یعنی فتنہ میں مبتلا ہو) وہاں تو فتووں پر اعتماد کرنا ہی نہ چاہئے بلکہ فتوی کے ساتھ اپنے دل کو بھی دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۲۹)

مولویوں میں تاویل کا مرض

میں یہ کہہ رہا تھا کہ یا تو اس معیار سے اپنی تاویلوں میں فیصلہ کرو جو اوپر مذکور ہوا اور جو اس معیار سے بھی فیصلہ نہ کر سکے وہ کسی محقق کا دامن پکڑے تو یہ تو بہت ہی برا ہے کہ مسلمان ہو کر لَادَرَیۡتَ وَلَاتَلَیۡتَ کا مصداق ہو کہ نہ خود محقق ہو نہ محقق کا اتباع کرے۔

آج کل ہماری تاویلوں کی یہ حالت ہے کہ ہم خود جانتے ہیں کہ تاویل ہے مگر اس پر نازاں ہیں کہ ہم نے تاویل سے بات بنالی اور یہ مرض تاویل کا ہمارے اندر سے ابتدائے طالب علمی سے پیدا ہوتا ہے، مجھے خود اپنے بچپن کا واقعہ یاد ہے جب کہ میں دیوبند کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں عربی کی پڑھتا تھا، اس زمانہ میں ایک دفعہ میرٹھ والد صاحب کے پاس گیا اور اس وقت میرٹھ میں نوچندی کا میلا تھا، میں بچپن کی وجہ سے میلہ دیکھنے چلا گیا، جب واپس آیا تو حافظ عبدالکریم صاحب

رئیس کے بڑے صاحبزادہ شیخ غلام محی الدین صاحب نے دفتر میں مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ نوچندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مجھ پر اعتراض مقصود ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا میں نے بات بنائی اور تاویل کے ساتھ جواب دیا کہ نوچندی کا میلہ ایسے شخص کو جانا جائز ہے جو کسی وقت مقتدا بننے والا ہے اور اس وقت اس غرض سے جاتا ہے کہ میلہ کے مفاسد معلوم کر لے تا کہ بعد میں جب لوگوں کو اس سے منع کرے تو اس کے مفاسد ان کے سامنے بیان کر سکے، اس جواب پر شیخ صاحب موصوف بہت ہنسے کہ مولوی گناہ بھی کرتے ہیں تو اس کو جائز بنا کر، خیر یہ تو بچپن کی بات تھی افسوس یہ ہے کہ پچپن سال میں بھی ہماری یہی حالت ہے یہاں تک کہ عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس دین مولویوں کے قبضہ کا ہے جس چیز کو چاہیں یہ حرام کر لیں اور جس چیز کو چاہیں حلال کر لیں۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۳۹)

اہل مدارس کے لئے ایک عبرتناک حکایت

لکھنؤ میں ایک طوائف جو بڑی مالدار تھی اپنی جائداد جو بڑی قیمتی تھی مولانا محمد نعیم صاحب کو دینا چاہی اور مولانا کی یہ حالت تھی کہ بہت تنگدستی کے ساتھ گزر ہوتا تھا مگر متقی بزرگ تھے۔ انہوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا، پھر اس نے ایک قومی عربی مدرسہ والوں کو وہ زمین دینا چاہی اہل مدرسہ نے نہ معلوم کیا تاویل کر لی ہوگی، انہوں نے وہ جائداد لے لی، اس کا عوام پر یہ اثر تھا کہ لکھنؤ کے شہدے (اوباش، غنڈے) بھی اس مدرسہ پر ہنستے تھے اور باہم دل لگی کے طور پر کہتے تھے کہ بھائی مولوی نعیم صاحب تو اکیلے تھے وہ ڈر گئے کہ میں اکیلا اس بوجھ

کو کیونکر اٹھاؤں گا اس لئے انکار کر دیا اور فلاں مدرسہ والے بہت سے ہیں انہوں نے سوچا کہ تھوڑا تھوڑا بوجھ بانٹے آئے گا، سب مل کر اٹھا لیں گے، اس واسطے انہوں نے منظور کر لیا۔

میں کہتا ہوں اگر بالفرض علماء مدرسہ نے کسی صحیح تاویل سے اس کو جائز بھی سمجھا ہو تب بھی ان کو اس کا لینا جائز نہ تھا کیونکہ جس مباح سے فساد عوام کا اندیشہ ہو اس مباح کا ترک واجب ہو جاتا ہے خصوصاً ایسا مباح جس کے کرنے سے دین پر حرف آتا ہو۔

(تسلیم ورضا ۱۴۰)

ایک عالم ربّانی کی حکایت

اس پر اپنے ہم وطن ایک عالم کی حکایت یاد آئی کہ انہوں نے کسی ہندو پر عدالت میں دعویٰ کیا اور جس سب جج کے یہاں دعویٰ تھا وہ بھی مولوی تھے کیونکہ پہلے یہ عہدے علماء ہی کو ملتے تھے تو سب جج نے مولوی صاحب کے موافق ڈگری کی اور مع سود کے جس کی مقدار (اس زمانہ میں) آٹھ سو روپیہ تھی ڈگری دی، مولوی صاحب نے باوجود سخت حاجت کے سود کے لینے سے انکار کر دیا تو سب جج نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کیوں نہیں لیتے درمختار میں تو لکھا ہے کہ:

لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب

مولوی صاحب نے کہا کہ میں عوام کو سمجھانے کے لئے درمختار کہاں بغل میں لئے لئے پھروں گا، مشہور تو یہی ہوگا کہ مولوی صاحب نے سود لیا۔

صاحبو! یہ علم ہے اور اس کا نام ہے تفقہ، کہ اگر کوئی چیز قاعدہ سے جائز بھی

ہو مگر اس سے دین پر حرف آتا ہو تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے، مگر آج کل مدارس میں عموماً اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہر شخص کا چندہ بے تکلف لے لیا جاتا ہے۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۴۰)

مدرسہ مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے

جس کا راز یہ ہے کہ آج کل اہل مدارس نے مخترع ثمرات (من گھڑت مخصوص فوائد اور نتائج) کو مطلوب سمجھ رکھا ہے کہ ہمارا مدرسہ بارونق ہو اس میں پانچسو یا ہزار طلبہ ہوں، اور پچاس یا سو مدرس ہوں اور ایسی عمارت ہو اور ہر سال اس میں سے اتنے طلبہ فارغ ہوں اور یہ باتیں زیادہ رقم کے بغیر ہو نہیں سکتی، تو اب ہر وقت ان کی نظر آمدنی پر رہتی ہے اور جہاں سے بھی چندہ آتا ہے تو (فکر ہوتی ہے کہ) اتنی آمدنی کس طرح ہوگی جو اتنے بڑے کارخانہ کو کافی ہو سکے، بس یہی جڑ ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ رضائے حق مقصود نہیں، اس جڑ کو اکھاڑ پھینکو اور ثمرات پر ہرگز نظر نہ کرو، نہ زیادہ کام کو مقصود سمجھو بلکہ رضائے حق کو مقصود سمجھو، چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے، اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر دینداری اور علم کا نام مت لو، نہ خدا سے محبت کا دعویٰ کرو، افسوس خدا سے محبت اور غیر پر نظر۔

(تسلیم ورضا ص ۱۴۱)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی حکایت

حضرت مولانا گنگوہیؒ اس قدر مضبوط اور قوی القلب تھے کہ بڑے بڑے فتنہ وفساد کے وقت بھی مستقل (اور ثابت قدم) رہتے اور از جا رفتہ (حواس باختہ) نہ

ہوتے تھے اس کا راز یہی تھا کہ وہ صرف ایک ذات کی رضا پر نظر رکھتے تھے، ثمرات پر نظر نہ کرتے تھے ایک زمانہ میں مدرسہ دیوبند کے خلاف دیوبند میں بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ وہی تھا جو آج کل ہو رہا ہے کہ ایک ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران مدرسہ میں بڑھا دیا جائے مولانا گنگوہیؒ اس کو منظور نہ فرماتے تھے۔

یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا، میں نے حضرت کو ایک خط لکھا کہ اس وقت اگر شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدام کی ہے اور کثرت رائے سے ہی فیصلہ ہوا کرتا ہے، ان کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم کو مدرسہ مقصود نہیں رضاء حق مقصود ہے اور نا اہل کو ممبر بنانا معصیت ہے، جو خلاف رضائے حق ہے اس لئے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس پر ہم سے مؤاخذہ ہوگا، اگر اہل شہر کے فتنہ سے مدرسہ بند ہو گیا تو اس کے جوابدہ وہ قیامت میں خود ہوں گے، کیونکہ ان کے ہی فعل کا یہ نتیجہ ہوگا، ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔

ثمرات مقصود نہیں صرف رضائے حق مقصود ہے

مدرسہ اور طلبہ کی کثرت مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضاء مقصود ہے

الحمدللہ جو بات برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتی وہ بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل ایک ساعت میں حاصل ہو گئی، حضرتؒ نے اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا وہ بہت بڑا علم ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں ہیں صرف رضائے حق مقصود ہے، نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب نہ عمارت مقصود ہے، صرف رضاء حق مطلوب ہے اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت و طاقت ان میں کام کرتے رہو اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو۔

واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانیاں اور وساوس ختم ہو گئی ہیں اس علم سے اعمال میں کام لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی، مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہوا تو دوا دارو کرو مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے، بلکہ معالجہ محض رضائے حق کے لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو، علاج کرو ثمرہ پر نظر نہ کرو، اسی طرح مدرسہ جاری کرو اور رضائے حق پر نظر رکھو یہ ثمرہ متعین نہ کرو کہ ہمارا مدرسہ ایسا ویسا ہونا چاہئے، یہ دھن کہاں کی لگائی یہ دھن نہیں، بلکہ گھن ہے پھر وہ جس حال میں راضی رہیں تم خوش رہو ایسے ہی ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو، لذت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو، اگر قبض ہو تو خوش رہو بسط ہو تو خوش رہو، کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو، کیفیات ہوں تب خوش رہو۔ بتلایئے اس شخص سے زیادہ مستقل مزاج کون ہوگا، پس جس حال میں وہ راضی رہیں اسی میں خوش رہو۔

اس پر شاید کوئی فلسفی یہ سوال کرے کہ اگر وہ بے ایمان رکھنے میں راضی رہیں تو کیا اس پر بھی خوش رہیں تو یہ سوال ایسا ہے جیسے قاضی ابو یوسف کے مجلسِ املاء میں ایک شاگرد بالکل خاموش تھا، امام صاحب نے فرمایا: تم بھی کچھ پوچھا کرو اس کے بعد امام نے مسئلہ بیان کیا کہ یقینی غروب کے بعد پھر افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ کیوں حضرت! اگر کسی دن آفتاب غروب ہی نہ ہو تو روزہ کب افطار کرے، امام صاحب نے فرمایا کہ بس تم خاموش رہو، تمہارا سکوت

ہی اچھا تھا، میں نے خواہ مخواہ تم سے کہا کہ تو بھی سوال کیا کرو۔

واقعی بعض لوگوں کا نہ بولنا ہی بہتر ہوتا ہے جیسے ایک بہو تھی جس کی ماں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ساس کے گھر جا کر زبان سے ایک حرف نہ نکالنا خاموش ہی رہنا، چنانچہ وہ ہر وقت چپ رہتی ساس نے ہر چند چاہا کہ یہ بھی کچھ بولے بات کرے مگر وہ کچھ نہ بولتی تھی، ایک دن ساس حسرت سے کہنے لگی کہ میری بہو تو بہت اچھی ہے، صورت وسیرت سب بہتر ہے مگر بس اتنی کسر ہے کہ بولتی نہیں ہے، بہو نے کہا مجھے میری اماں نے بولنے سے منع کر دیا ہے، اس لئے میں نہیں بول سکتی۔ ساس نے کہا کہ تمہاری اماں پاگل ہے، بیٹی بہو کے بولنے بات کرنے ہی سے گھر میں رونق ہوتی ہے، تم ضرور بات چیت کیا کرو، بہو نے کہا اچھا بولوں تو تم برا تو نہیں مانو گی؟ ساس نے کہا میں کیوں برا مانتی میں تو اللہ سے چاہتی ہوں کہ تو بولے، کہا میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر تمہارا لڑکا مر جائے تو تم میرا دوسرا بیاہ بھی کر دو گی یا یوں ہی بٹھائے رکھو گی؟ ساس نے کہا بیٹی واقعی تیری ماں کی رائے درست تھی اور میری رائے غلط تھی، تیرا خاموش ہی رہنا بہتر ہے تو بولنے کے لائق نہیں۔

اسی طرح میں اس سائل سے کہتا ہوں کہ تمہارا خاموش ہی رہنا بہتر ہے، یہ بھی کوئی سوال کی بات ہے کہ اگر وہ بے ایمان رکھنے پر راضی ہوں، آخر وہ بے ایمان رکھنے پر کیوں راضی ہوں گے، وہ تمہیں کیوں کافر بنانا پسند کریں گے، اس کی کوئی وجہ بھی؟ جب کہ صاف ارشاد فرماتے ہیں **وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ** معلوم ہوا کہ رضا کا تعلق کفر سے ہو ہی نہیں سکتا۔

بس (سوال میں یہ لفظ) ''اگر'' لغو ہے۔ اور اس کے بعد سارے ''اگروں'' کا جواب یہ ہے کہ ہاں اگر وہ اس پر راضی ہوں تو تم اس میں بھی راضی رہو۔

چندہ کم ہونے یا مدرسہ ٹوٹ جانے کا خیال دل سے نکال دیجئے

جس حال میں بھی رضا کے ساتھ رکھیں راضی رہو پھر اب رضا کی مقصودیت کے بعد یہ وسوسہ کیوں ہے کہ مشتبہ مال کے واپس کرنے سے مدرسہ کا چندہ کم ہو جائے گا اور فلاں بات کے نہ ماننے سے مدرسہ ٹوٹ جائے گا اور یہ فکر کیوں ہے کہ مدرسہ کی آمدنی کس طرح بڑھانا چاہئے۔ کیا تدبیر کرنا چاہئے ارے چھوڑو! اس فکر کو تم نے یہ گھن کہاں کا لگایا تم سے فکر کرنے کو کس نے کہا ہے؟ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، تمہارے کئے سے کچھ نہ ہوگا، بس خدا پر نظر کر کے بے فکر رہو اور خوش رہو اور چین سے بیٹھو۔

ہاں ایک فکر البتہ لذیذ ہے وہ جان کو لگاؤ یعنی فکرِ آخرت اور واللہ میں قسم کھاتا ہوں اور پھر قسم کھاتا ہوں یہ فکر اگر پیدا ہوگئی تو ساری فکریں گم ہو جائیں گی، یہ عصائے موسیٰ ہے جو اژدہا بن کر سب سانپوں کو نگل جائے گا اور جس کی جان کو دوسری فکریں لگی ہوئی ہیں واللہ اس کو اس فکر کی ہوا بھی نہیں لگی، ورنہ اس فکر کی تو مستی ایسی ہے جو دنیا بھر (کی فکروں) سے یکسو کر دیتی ہے۔

(تسلیم ورضا ص۱۴۶)

علماء ومشائخ کو تنبیہ

علماء بھی گناہوں میں تاویلیں کرتے ہیں اور مشائخ بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ پھر عوام کا تو کیا پوچھنا۔ حیرت تو علماء پر ہے اور ان سے بڑھ کر مشائخ پر، کیونکہ عارفین کا اصل مذاق تو یہ ہے کہ وہ ثمراتِ آخرت پر بھی نظر نہیں کرتے، مگر

یہ انہی حضرات کا درجہ تھا ہم کو ثمرات آخرت سے استغناء نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اول تو یہ دعویٰ بہت بڑا ہے۔ (ہم اس کے اہل نہیں اور وہ حضرات اہل تھے۔ کیونکہ وہ اپنے کو فنا کر چکے تھے وہ دعویٰ سے پاک تھے) دوسرے یہ کہ وہ حضرات تو افکار سے خالی ہو کر ذکر اللہ سے بھر گئے تھے، ان کے قلب میں حق تعالیٰ کا ذکر و فکر بھرا ہوا تھا۔ اور ہمارا قلب ابھی تک ذکر و فکرِ حق سے پُر نہیں ہوا، اگر ہم نے ثمرات آخرت کی فکر بھی دل سے نکال دی تو بالکل کورے ہی رہ جائیں گے، اور یہ حالت سخت خطرناک ہے، دل کو خالی نہ چھوڑنا چاہئے اگر ذکر حق سے پُر نہ ہو تو مباحات ہی سے پر رکھو ورنہ میدان خالی دیکھ کر شیطان قبضہ جمالے گا، تو خیر آج کل کے مشائخ اگر ثمرات آخرت سے قطع نظر نہ کر سکیں تو کم از کم ثمرات دنیا سے تو قطع نظر کرلیں کہ یہ تو اس طریق میں قدم رکھنے کی شرط اول ہے، مگر افسوس ان کی نظر بھی ثمرات دنیا ہی پر ہے اور اس کے لئے وہ تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔

(تسلیم و رضا ص ۱۴۹)

مجمع بڑھانے کی فکر نہ کیجئے

بعض مشائخ کو اپنا مجمع بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور اس کے لئے تدابیر کرتے ہیں اور تاویل یہ کرلی ہے کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا، ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ گھڑ لیا ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ اس شخص کے لئے ہے جو نفع لازمی سے فارغ ہو گیا ہو اور نفع متعدی میں مشغول ہونا اس کے لئے نفع لازم میں خلل انداز نہ ہوتا ہو، اور جس کی یہ حالت نہ ہو اس کے لئے نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے۔ دیکھو امامت نفع متعدی ہے اور اقتداء نفع لازمی ہے تو اب بتلاؤ کیا ہر شخص کے حق میں امامت افضل ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے تھوڑے افراد ہیں جن کے واسطے امامت افضل ہو زیادہ وہی ہیں جن کے واسطے مقتدی ہی بننا افضل ہے اور دیکھو تعلیم دینا نفع متعدی ہے اور پڑھنا نفع لازم ہے تو کیا ہر شخص کے لئے پڑھنے سے پڑھانا افضل ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ پڑھانا اسی کے واسطے افضل ہے جو پڑھنے سے پوری طرح فارغ ہو چکا ہو اور اس کو اساتذہ کہہ دیں کہ اب تم اس لائق ہو کہ دوسروں کو پڑھاؤ اور جو خود ہی پڑھ رہا ہے ہنوز فارغ نہیں ہوا وہ ہرگز دوسروں کو پڑھانے کے لائق نہیں اور نہ اس کے واسطے تعلیم و تدریس افضل، پس یہ کلیہ غلط ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے اور جن لوگوں کے حق میں نفع متعدی افضل ہے وہ بھی اس لئے نہیں کہ نفع متعدی نفع لازم سے فی نفسہٖ افضل ہے بلکہ اس لئے افضل ہے کہ اس کے نفع متعدی سے بہت سے لوگ نفع لازم میں مشغول ہوں گے یعنی اپنی اصلاح و تکمیل کریں گے، پس نفع متعدی میں فضیلت اسی واسطے ہے کہ وہ نفع لازم کا ذریعہ ہے اسی لئے جس وقت نفع متعدی سے نفع لازم کا ذریعہ ہونے کی امید نہ ہو اس وقت نفع متعدی کے ترک کا حکم ہے حدیث میں ہے۔

حتی اذارأیت شحا مطاعاوھوی متبعاودنیا مؤثرة وإعجاب کل ذی رائی برایه فعلیک بخاصة نفسک ودع امر العامة۔

اگر نفع متعدی میں خود فی نفسہٖ فضیلت ہوتی تو نفع لازم کے عدم ترتب سے اس کو کیوں بند کیا جاتا۔

دوسرے نفع متعدی میں مشغول ہونے کے بعد نفع لازم میں مشغول ہونے کی ضرورت ہی نہ رہتی کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی کیا ضرورت ہے

مگر نصوص شاہد ہیں کہ نفع لازم سے کسی وقت کسی کو بھی استغناء نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو افضل الخلق ہیں حکم ہے،

فَاِذَافَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلیٰ رَبِّکَ فَارْغَبْ۔

کہ تبلیغ سے فارغ ہو کر اپنے کام میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئیے۔ (ارضاء الحق)

نگراں، مربّی اور شیخ کے لئے نہایت اہم ضروری ہدایت

اور اہل طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص دوسروں کی تربیت کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک وقت اپنے لئے یکسوئی اور خلوت کا ضرور مقرر کرے ورنہ نسبت مع اللہ ضعیف ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ اصل مقصود نفع لازم ہے اور نفع متعدی مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے، خوب سمجھ لو اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں، بعض سالکین اس نیت سے ذکر و شغل کرتے ہیں تا کہ اپنی تکمیل کے بعد مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو! یہ خیال طریق میں راہزن ہے اور اس نیت کے ساتھ کچھ حاصل نہ ہوگا، ابھی سے بڑے بننے کا شوق، ابھی پوری طرح بیٹے تو بنے نہیں اور باپ بننے کی فکر ہونے لگی۔

علماء بھی نفع متعدی کی افضلیت کے مسئلہ سے دھوکہ میں ہیں، واعظین سمجھتے ہیں کہ بس ہم کو کچھ محنت کرنے کی ضرورت نہیں، تمام سامعین کی گٹھڑیاں قیامت میں ہم کو ہی مل جائیں گی، جی ہاں! دیکھنا کیسی ملتی ہیں اسی طرح اہل مدارس دھوکہ میں ہیں کہ بس ہم مدرسہ کی خدمت کر رہے ہیں جس سے نفع متعدی ہے یہی ہم کو کافی ہے اور کچھ ضرورت نہیں۔

اپنے بڑوں سے رائے اور مشورہ لینے کی ضرورت

صاحبو! یہ بڑا دھوکہ ہے جس کا منشا یہ ہے کہ سب نے نفع متعدی کو مطلقاً افضل و مقصود سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ کلیہ نہیں جیسا کہ میں نے تفصیل سے بتلا دیا، رہا یہ کہ پھر ہم کو کیسے معلوم ہو کہ اس وقت ہمارے لئے نفع متعدی میں مشغول ہونا افضل ہے اور اس وقت نفع لازم ہی میں اشتغال ضروری ہے۔ اور نفع متعدی میں مشغول ہونا مضر ہے تو اس کے لئے نظر صحیح کی ضرورت ہے یا تو نظر صحیح پیدا کرو ورنہ کسی صاحب نظر کا دامن پکڑو اور اس کے تابع ہو جاؤ اور اس سے ہر موقع پر استفتاء کرو۔ واللہ اس کی سخت ضرورت ہے نظر صحیح بھی یوں ہی پیدا ہوگی بدون اس کے بہت کم پیدا ہوتی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ بھی اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے حالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسرے کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے اور جس شیخ کو کوئی دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔

جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنائیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اسی پر اکتفاء کر لے اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو یہ بہت ہی مضر اور سد راہ ہے۔ ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد

بہرحال بعض مشائخ اپنا مجمع بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا۔ سو میں نے بتلا دیا ہے کہ وہ دھوکہ میں ہیں۔

مشائخ واہل مدارس اور واعظین ومقررین کو تنبیہ

اور یہ گفتگو تو اس وقت ہے جب کہ اس تاویل کو تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی وہ اسی نیت سے مجمع بڑھانے کی فکر کرتے ہیں تاکہ مخلوق کو نفع ہو اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تاویل بھی فاسد ہے اگر ان کو نفع خلق مطلوب ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص ان سے زیادہ کامل آجائے جس سے مخلوق کو نفع پہنچنے کی زیادہ امید ہے تو یہ حضرت شیخ اپنی مسند کو چھوڑ کر الگ ہوجائیں اور لوگوں سے صاف کہہ دیں کہ اب میری ضرورت نہیں رہی، فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ کامل ہیں۔

مگر وہ لوگ جو نفع خلق کی تاویل سے اپنا مجمع بڑھا رہے ہیں ذرا وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا وہ ایسا کرسکتے ہیں کہ ان کی بستی میں دوسرا بزرگ اسی کام کا کرنے والا آجائے تو یہ اس کام کو اس کے حوالے کرکے خود دوسرا کام سنبھال لیں؟ ہرگز نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ایک خانقاہ والے دوسری خانقاہوں کو نہیں چاہتے اور ایک مدرسہ والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے۔ واعظین دوسرے واعظین کو نہیں چاہتے پھر یہ کیا اخلاص ہے۔

اے اللہ! جب علماء ومشائخ کی یہ حالت ہے تو اب عوام کی اصلاح کیونکر ہو، افسوس ماٹ کا ماٹ ہی خراب ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (پ۲۱ سورہ روم)

(ترجمہ) خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجائیں۔

(بیان القرآن)

سب سے زیادہ ضرورت علماء ومشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے

مسلمانو! سنبھلو اور اپنی حالت کو سنوارو کہ ہم راستہ سے بہت دور پہنچ گئے ہیں، اور سب سے زیادہ ضرورت علماء ومشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے کیونکہ ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے، پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی، یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دوکاندار نہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں شیخ کامل آگیا ہے، اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کردیئے واللہ! میں تو اس ادا کا عاشق ہوں افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

شیخ شمس الدین اور شاہ ابوعلی قلندر کا واقعہ

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ ابوعلیؒ قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا، لوگ اس رمز (اشارہ) کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی، فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدینؒ سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندرؒ خود ہی بستی کو چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے، گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو، اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

صاحبو! ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے ہمارے اندر تحزب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے اگر ہم کو مخلوق کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا، بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا کہ اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا، اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ کر رہا ہو، نیز اگر نفع خلق مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع

پہنچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا کیونکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف تو اہل حق میں ابتداء سے چلا آ رہا ہے کوئی نئی بات نہیں، مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے میں کہاں تک معیارات بیان کروں، اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا، بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں حسرت ہی ہوتی ہے اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضا ص ۱۵۶)

صاحبو! یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم لوگ رضائے خلق کو رضائے حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ہے کیونکہ اسی سے ریاء پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ریاء کی حقیقت مخلوق ہی کو مقصود سمجھنا ہے اور جو شخص رضائے خلق کا طالب ہوگا اس سے زیادہ مقصودیت خلق کس میں ہوگی پس ریاء میں اس مرض کی فرع ہے اور ریاء کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(تسلیم و رضا ص ۱۵۶)

باب ۴

اخلاص کی ضرورت واہمیت اور اس کی صحیح حقیقت

اب سمجھ لینا چاہئے کہ اخلاص کے جو معنی مشہور ہیں عنایت ومحبت وہ صحیح نہیں، اس لئے میں نے کہا تھا کہ اخلاص کا لفظ تو سب نے سنا ہوگا مگر اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کسی نے فکر نہیں کی، سو بعض تو معنی ہی غلط سمجھے اور بعض نے گو معنی صحیح سمجھے مگر اس کو ضروری الحصول نہ سمجھا۔ میں اسی کی شکایت کرتا ہوں کہ ہم لوگ کبھی اپنی حالت کو غور کرکے نہیں دیکھتے کہ ہم میں کیا کمی ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اس وقت اختیار کیا ہے تاکہ لوگ سن لیں اور معلوم کرلیں کہ یہ کتنی ضروری بات ہے اور اس کے نہ ہونے سے دین میں کتنی کمی ہے۔ اس کو اول تو قرآن سے پھر نظائر وامثلہ سے ثابت کروں گا۔

قرآن سے تو اس کا مہتم بالشان ہونا یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اول قل فرمایا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ یہ بات کہہ دیجئے، اور یقینی بات ہے کہ اگر قل نہ بھی فرماتے جب بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہی جہاں اور احکام کی تبلیغ آپ نے فرمائی اس کی بھی تبلیغ فرماتے ہی، اس کے لئے لفظ قل کا زیادہ فرمانا بتلا رہا ہے کہ کوئی مہتمم بالشان حکم ہے، دوسرے اِنِّی اُمِرْتُ (بے شک مجھ کو حکم ہوا ہے) فرمایا اِنِّیْ میں دوسری تاکید ہے، پھر اُمِرْتُ (مجھ کو حکم ہوا ہے) تیسری تاکید، نیز ایک اور بھی تاکید ہے وہ یہ کہ فرماتے ہیں اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰہَ مُخْلِصاً لَّہ، کہ مجھ کو اس طرح عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے کہ جس میں اخلاص ہو تو عبادت گو فی نفسہ خود بھی ایک امر مقصود ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس وقت معتبر ہے جب کہ اخلاص کے ساتھ ہو۔ (الدین الخالص ملحقہ دین ودنیا ص ۱۳)

علم حاصل کرنے میں اخلاص کی ضرورت

اگر اخلاص نہ ہو تب بھی نہ علم چھوڑو نہ عمل

چونکہ دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل، تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے، اب دیکھئے کہ علم حاصل کرنے میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے، ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی یہ نیت ہو کہ غیر مرضیات حق سے بچیں اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے، اول علم میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ اگر نیت خالص نہ ہو تو تحصیل علم ہی چھوڑ دو، نہیں پڑھنا تو بہر حاصل ضروری ہے، کیونکہ اگر تحصیل کے وقت اخلاص نہیں ہے تاہم امید ہے کہ علم حاصل کر لینے سے پھر کبھی پیدا ہو جائے گا اور اگر علم بھی حاصل نہ کیا تو یہ امید بھی نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر عمل میں اخلاص نہ ہو، تب بھی عمل نہ چھوڑو کیونکہ کبھی عمل کرتے کرتے اس کی برکت سے بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں تجاذب (ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت) بھی ہے۔ کبھی عمل سے بھی نیت درست ہو جاتی ہے، جیسا کہ علم سے اکثر یہ بات ہو جاتی ہے، تو اگر نیت خالص نہ ہوئی تو تب بھی چھوڑ نہ دے، کیونکہ آئندہ حاصل ہو جانے کی تو امید ہے، بزرگوں کا قول ہے۔

تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَاَبَی الْعِلْمُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِلّٰہِ

”علم ہم نے غیر اللہ کے لئے پڑھا تھا مگر وہ مانا ہی نہیں کہ وہ غیر اللہ کا ہو کر رہے، لہٰذا وہ اللہ ہی کا ہو کر رہا“

ہم نے فقہ اس لئے سیکھی تھی کہ فتویٰ لکھیں گے، مفتی کہلائیں گے یا حدیث پڑھتے ہیں تا کہ وعظ کہیں گے، لوگ ہم کو نذرانے دیں گے۔ دانت گھسائی دیں گے، یا بعضوں نے مباحثہ کے لئے پڑھا تھا کہ بڑی عزت ہوگی مگر علم خدا ہی کا ہو کر رہا، علم نے مانا ہی نہیں کہ وہ غیر اللہ کا ہو کر رہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً قرآن میں کوئی آیت وعید کی پڑھی جس میں علم سے دنیا کمانے کی مذمت تھی اور قلب میں ایک کھٹکا پیدا ہوا کہ میں بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہوں، تو اپنے کو ملامت کرتا ہے اور روتا ہے پس اس طرح عالم باعمل ہو گیا، یہ ہے **ابی العلم الاان یکون لله** (یعنی علم مانا ہی نہیں بجز اس کے کہ وہ اللہ ہی کا ہو کر رہے) کہ علم سے کبھی نہ کبھی اخلاص ہو ہی جاتا ہے۔

اس سے ان لوگوں کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ اگر انگریزی سیکھنا برا ہے تو آج کل کے طالب علموں کا عربی سیکھنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اسی میں ان کی کون سی نیت اچھی ہے، دونوں سے مقصود دنیا ہے بس دونوں برے ہوئے اور اگر یہ کہو کہ انگریزی میں عقائد خراب ہوتے ہیں تو عربی کے ساتھ بھی تو فلسفہ ہے، اس کے ساتھ بھی عقائد خراب ہو سکتے ہیں یہ ہیں اقوال اہل شہادت کے، مگر یہ سب تلبیسات ہیں، دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ علوم محمودہ حدیث وقرآن جب عربی پڑھنے والے کی زبان سے ادا ہوں گے، کان سے بھی سنے گا، اس میں غور و فکر بھی کرے گا تو اس کے ساتھ ایک ہادی تو موجود ہے، کبھی تو اثر پڑے گا اور اصلاح ہو جائے گی، انگریزی میں کوئی امید بھی اصلاح کی نہیں، بڑا کھلا فرق ہے غرض **ابی العلم الا ان یکون لله** کے یہ معنی ہیں کہ علم خدا کا ہو کر کے رہتا ہے۔ اس لئے اول تو اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت

خالص ہو اور اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے، امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے گا۔ اسی لئے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کام کرتا ہے گو ریاء ہی سے ہو، اس شخص سے اچھا ہے جو کام کرتا ہی نہیں، کیونکہ کبھی نہ کبھی ریاء بھی جاتی رہے گی اور عمل رہ جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص ذکر کرتا ہے تو دوسرا آدمی اس کو ریاکار کہے تو اس سے کہا جائے کہ میاں تم نے تو ریاء کے لئے بھی نہ کیا، تم کس منہ سے طعن کرتے ہو، سودا نے کیا خوب کہا ہے ؎

سوداؔ قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگرچہ نہ پا سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تو کرنے والا نہ کرنے والے سے پھر بھی اچھا ہے البتہ اگر کرنے والوں کی یہ شکایت ہے کہ نیت کو خالص کرنا بھی تو فرض ہے اسے کیوں چھوڑ رکھا ہے، مثلاً ایک شخص بے چبائے کھانا کھاتا ہے تو اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ کھاتے کیوں ہو؟ ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ اچھی طرح چبا کر کیوں نہیں کھاتے، بعض لوگ نماز نہیں پڑھتے کہ جیسی پڑھنی چاہئے ویسی تو ادا ہوتی نہیں پھر پڑھنے سے کیا فائدہ؟ سو یہ لوگ سخت غلطی میں مبتلا ہیں کیا کوئی کام اچھی طرح نہ ہو سکے تو اس کو بالکل بھی نہ کرنا چاہئے؟ اگر ایک لڑکا تختی لکھنا چھوڑ دے کہ اچھا تو لکھا نہیں جاتا، کیا کوئی اس عذر کو مانے گا ہرگز نہیں، بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ تو خراب ہی لکھتا رہ کبھی نہ کبھی خط عمدہ ہو ہی جائے گا، ویسے ہی یہاں بھی سمجھ لو۔

رہا یہ کہنا کہ جیسی ہونی چاہئے ویسی ادا نہیں ہو سکتی یعنی ناممکن ہے، یہ بھی غلط ہے ضرور ہو سکتی ہے۔ شریعت میں کوئی ایسا کام نہیں کہ نہ ہو سکے ہاں ارادہ اور طلب پہلی شرط ہے۔ (الدین الخالص ملحقہ دین و دنیا ص ۲۹)

اخلاص کی ضرورت عقلی نقطۂ نظر سے

اب عقلی طور پر سمجھئے، اخلاص کی ضرورت اس کے ترجمہ سے سمجھ میں آئے گی اخلاص کا ترجمہ ہے خالص کردن، خالص اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو جسے عوام نخالص کہتے ہیں، مثلاً خالص گھی وہ ہے جس میں تیل کا ملاؤ نہ ہو، تو اخلاص کے لغوی معنی خالص کرنے کے ہوئے۔ اب اپنے برتاؤ کو دیکھئے، آپ کے ساتھ جب کوئی محبت ظاہر کرتا ہے تو آپ اس کی نیت کو بھی دیکھتے ہیں یا نہیں دیکھتے؟ اگر ایک شخص تحفہ بھی دے اور پھر کہے کہ میری سفارش کر دیجئے تو آپ یہی سمجھیں گے کہ یہ ہدیہ اپنی غرض کے لئے تھا، یا مثلاً کوئی آپ کی دعوت کرے اور چلتے وقت کہے کہ میرے ذمہ قرضہ ہے کیا آپ کو یہ عوت ناگوار نہ گزرے گی۔

غرض صبح سے شام تک اپنے معاملات پر نظر کر لیجئے کہ جو محبت خالص ہوتی ہے اسی کی قدر ہوتی ہے آپ بھی اسی دوستی کو پسند کرتے ہیں جس میں آمیزش نہ ہو، تو خدا تعالیٰ جو کہ طیب ہے آمیزش دار عبادت و محبت کی کیوں کر قدر کریں گے، افسوس محبوبانِ دنیا کے واسطے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہدیہ خالص ہو، اس میں کسی چیز کا میل نہ ہو اور خدائی دربار میں جو عبادت پیش کی جاتی ہے اس کے خالص ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی، غرض نقلی اور عقلی طوپر اخلاص کی ضرورت ثابت ہوگئی۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں بھی اخلاص ہے یا نہیں کیونکہ جب وہ ضروری چیز ہے تو اس کا دیکھنا ضروری ہے جب قرآن میں اس کا بتاکید حکم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو فرض نہ سمجھے۔

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة أعظم

یعنی اگر جانتے نہ ہو تو یہ ایک ہی مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو اور پھر عمل نہیں کرتے تو یہ دہری مصیبت ہے، اس کا کوئی بھی تدارک نہیں کیونکہ جتنے افعال اختیاریہ ہیں سب قصد پر مبنی ہیں بدون قصد و ارادہ کے متحقق نہیں ہوتے اخلاص بھی انہی میں سے ہے اگر ارادہ ہی نہ کرو گے تو اخلاص کیسے حاصل ہو جائے گا۔

(الدین الخالص ص ۱۶)

اخلاص پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں لیکن اس کے لئے فکر و طلب اور کوشش ضروری ہے

حقیقت میں طلب ہی نہیں ورنہ خدا کے یہاں سے کوئی کمی نہیں، غرض اس بھروسہ سے نہ رہنا کہ بدون کچھ کئے ایک نظر پڑ جاوے گی اور کامل ہو جاؤ گے، نظر بھی جب ہی پڑے گی جب طلب ہوگی، دیکھو بعض مرتبہ اساتذہ حساب وغیرہ کا کوئی آسان قاعدہ بھی بتلا دیتے ہیں، مگر ہر ایک کو نہیں بتاتے جس میں شوق وطلب دیکھتے ہیں اسی کو بتلاتے ہیں، حاصل یہ کہ اخلاص بھی کچھ مشکل نہیں آسان ہے مگر بلا طلب حاصل نہیں ہوتا۔

اب اپنی حالت میں غور کرو، ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی اس طرف توجہ نہ ہوئی کہ نیت خالص ہے یا نہیں، اور اگر کسی کے کہنے سے توجہ ہوئی بھی تو یوں چاہتے ہیں کہ خود کچھ نہ کریں اپنے آپ اخلاص ہونے لگے جب اس قدر بے توجہی ہے تو اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْن کیا اپنی رحمت تمہارے سر چپکا دیں حالانکہ تم کو اس کی پرواہ بھی نہیں، تو اخلاص اتنا آسان نہیں کہ بلا طلب بھی مل جائے۔

(الدین الخالص ملحقہ دین و دنیا ص ۲۷)

اپنی طرف سے ارادہ اور طلب کرو اس طرف سے بہت فضل ہوگا۔ حدیث قدسی میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعاً الخ کہ جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف مقدار باع (دونوں ہاتھ لمبا کرنے کی مقدار) جاتا ہوں۔ جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ غرض تمہاری تھوڑی سی توجہ پر اس طرف سے عنایت ہی عنایت ہوتی ہے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالاؤ پست
تشنگاں گرآب جوئند از جہاں آپ ہم جوید بعالم تشنگاں

(پانی مت تلاش کرو پیاس پیدا کرو تا کہ پستی و بلندی سے تمہارے لئے پانی جوش مارے یعنی اپنے اندر طلب پیدا کرو، عنایت حق خو بخود متوجہ ہوگی۔ اگر پانی کے پیاسے طالب ہیں تو پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے) اس میں راز یہ ہے کہ جیسے پیاسے پانی کو ڈھونڈتے ہیں پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے۔ اسی طرح جیسے تم طالب عنایات حق ہو، عنایات حق بھی تمہاری طالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذراسی توجہ پر بیحد عنایت ہوتی ہیں، تم اپنے اندر طلب پیدا کرلو محبوب خود بخود متوجہ ہوگا کہتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(جو بھی عاشق ہوا ہے محبوب نے ضرور اس کے حال پر نظر کی ہے حق یہ ہے کہ درد یعنی طلب ہی نہیں ورنہ طبیب یعنی عنایت حق تو ہر وقت موجود ہے۔ (حوالہ مذکور)

اخلاص کیسے پیدا ہو، اخلاص پیدا کرنے کے طریقے

اب اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اور علاج سمجھئے، وہ کہ جب کوئی کام کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں۔ اگر کوئی نیت فاسد ہو تو اس کو قلب سے نکال ڈالئے اور نیت خالص خدا کے لئے کرنی چاہئے، اس علاج کی آسانی کے لئے بہتر یہ ہے کہ مخلصین کی حکایات دیکھا کریں۔ اس سے بہت اثر ہوتا ہے چنانچہ مولانا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت بیان فرمائی ہے ؎

اخلاص کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکایت

اور خدا و انداخت بروئے علیؓ افتخار ہر نبی و ہر ولی

(اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر جن پر انبیاء و اولیاء کو افتخار ہے تھوک دیا) اور افتخار ہر نبی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت علیؓ نبی سے بڑھ کر ہیں کیونکہ فخر ہمیشہ بڑے ہی سے نہیں ہوا کرتا کبھی بڑے چھوٹوں سے بھی فخر کیا کرتے ہیں جیسا کہ استاد فخر کرتے ہیں اپنے لائق شاگردوں پر۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو لڑائی میں زیر کر دیا اور سینہ پر بیٹھ کر قصد کیا کہ خنجر سے ذبح کر دیں، یہودی نے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا آپ نے فوراً چھوڑ دیا، یہودی نے حیران ہوکر پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا، اب تو میں اور زیادہ قابل قتل تھا، فرمایا: میں پہلے خالصاً للہ قتل کرتا اور اب نفس کی بھی آمیزش ہوجاتی اس لئے میں نے چھوڑ دیا، یہودی فوراً مسلمان ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاص کی اگر اسی حکایت کو یاد رکھیں تو کافی ہے۔ (وعظ الدین الخالص: ص ۴۲)

مخلصین سے محبت اوران کی صحبت اختیار کیجئے آپ کے اندر بھی اخلاص پیدا ہو جائے گا

اخلاص کے سلسلہ میں دو بزرگوں کی حکایتیں

دوسرے اہل اخلاص کی محبت اختیار کیجئے ، ان کے اقوال وافعال پر نظر کیجئے تو آنکھیں کھل جاویں گی ، مجھے دو حکایتیں یاد آگئیں ایک بلگرام کی وہاں ایک بزرگ تھے، ان سے ایک شخص کچھ پڑھتے تھے، ایک دن جو پڑھنے آئے تو دیکھا کہ استاد کچھ مضمحل ہو رہے ہیں اس روز ان کے گھر میں فاقہ تھا، یہ شخص باادب تھے استاد پر فاقہ کا اثر دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور اپنے گھر جا کر کچھ کھانا ان کے لئے لائے ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ کھانا ایسے وقت آیا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے مگر مجھے اس کے لینے سے معاف کرو، کیونکہ اس وقت اس کا قبول کرنا حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

مَا اَتَاکَ مِنْ غَیْرِ اِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْہُ یعنی جو چیز تمہارے پاس بلا انتظارِ نفس آجائے اس کو لے لو۔

تو جب تم میرے پاس سے گئے ہو اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا تھا کہ تم کچھ لاؤ گے، یہ آدمی سلیقہ مند تھے کچھ بھی اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ، جب ان کی نگاہ سے دور ہو گئے تو پھر لوٹے اور آکر عرض کیا کہ اب تو یہ کھانا لینا آپ کو حدیث کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ جب میں لے کر چلا ہوں اس وقت تو آپ کو مایوسی ہو چکی تھی ، وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

ہم اگر ہوتے تو کہتے اجی حضرت خدا کے لئے لو۔ آج کل یہ بات بھی عمدہ خصلتوں میں شمار ہوتی ہے کہ بزرگوں پر ہدیہ قبول کرنے میں زور ڈالا جائے اور خوب اصرار کیا جائے۔ یہ بالکل نامناسب ہے، یہ عادت محمود نہیں ، خدمت کے پچاس طریقے ہیں، ہدیہ دینے ہی میں خدمت منحصر نہیں، آپ نے دیکھا کہ ان بزرگ کی کیسی خالص نیت تھی اتنی آمیزش بھی نہ ہونے دی۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات جو بزرگ لوگ کسی کا ہدیہ نہیں لیتے اس کی کبھی یہ وجہ بھی ہوتی ہے، اس لئے ہدیہ دینے والے کو یہ سمجھ کر ناخوش نہ ہونا چاہئے کہ میرے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔ (وعظ الدین الخالص: ص ۴۳)

حاتم اصمؒ کی حکایت

دوسری حکایت حضرت حاتم اصمؒ کی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک روپیہ لایا، آپ نے پہلے تو انکار کر دیا اور نہ لیا مگر جب اس نے اصرار کیا تو لے لیا، لوگوں نے پوچھا کہ اگر آپ کو لینا حرام تھا تو پھر کیوں لیا اور حلال تھا تو پہلے انکار کیوں کیا؟ فرمایا: فتویٰ کے موافق تھا اور تقویٰ کے خلاف، پہلے میں نے انکار کیا مگر جب میں نے دیکھا کہ نہ لینے میں اس کی ذلت ہے اور میری عزت اور لینے میں اس کی عزت ہے میری ذلت تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی اور لے لیا۔

حضرات! اگر بزرگان دین کبھی لیتے ہیں تو اس میں ان کی یہ نیت ہوتی ہے، نہ ان کے لینے پر اعتراض کرو نہ انکار پر، مگر بشرطیکہ بزرگ ہوں ورنہ ؎

اینکہ می بینی خلاف آدم اند   نیستند آدم غلاف آدم اند

(یعنی جن لوگوں میں آدمیت کے خلاف باتیں دیکھتے ہو وہ واقع میں آدمی

نہیں بلکہ صورت میں آدمیوں کے مشابہ ہیں) بہت سے لوگ آدمی کے مشابہ ہوتے ہیں مگر واقع میں آدمی نہیں ہوتے درپردہ شیطان ہوتے ہیں۔ تو جو شخص بزرگ ہو یعنی متبع سنت ہو، طالبوں پر شفیق ہو، منکرات سے بچتا ہو، اس کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہو، اس کے سب افعال خلوص پر مبنی ہوتے ہیں، تو میں نے یہ چند حکایتیں بیان کردی ہیں، ان کو یاد رکھئے اور اگر ایسے لوگوں کی صحبت میسر ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر حاصل کیجئے، اس وقت دیکھئے گا کہ آپ کو خود ایسے امور کی تمیز ہوجائے گی۔

بہرحال میں نے اخلاص کی ماہیت بھی بتلادی اور طریقہ بھی بتلادیا اور علاج بھی بتلادیا، اب آگے کرنا آپ کا کام ہے۔ (وعظ الدین الخالص: ص۴۴)

عمل میں اخلاص نہ ہونے میں خواص وعوام کی کوتاہی

اب رہے اعمال سو ان میں عدم اخلاص کے سبب جو خرابیاں ہیں ان میں عوام بھی شریک ہیں کیونکہ علوم میں تو عوام بہت اچھے ہیں، وہ کوئی مسئلہ اس نیت سے نہیں پوچھتے کہ اس سے نوکری ملے گی البتہ بعض اوقات ایک فعل عبث میں تو مبتلا ہوجاتے ہیں کہ بلاضرورت مسئلے پوچھتے ہیں، اور بعض دوسری اغراض فاسدہ میں بھی مبتلا ہوجاتے ہیں اس لئے مسئلہ پوچھتے ہیں تاکہ جھگڑا کریں مگر ایسے لوگ کم ہیں، زیادہ یہی حالت ہے کہ پوچھ لیا اور عمل کرلیا، ہاں عمل کی خرابی میں خواص وعام دونوں شریک ہیں، گو خواص کا محل ریاء دوسرا ہے، ان کا دوسرا، مثلاً بعض خواص غور کرکے دیکھ لیں کہ وہ ذکر وتلاوت کس غرض سے کرتے ہیں محض اس لئے کہ نام ونمود ہو، جاہ ہو، جلسے اس واسطے کرتے ہیں کہ ہمارا گزر ہو، آمدنی ہو، شہرت ہو، پیری

مریدی کرتے ہیں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ آمدنی بڑھے، بعض پیر ایسے بھی ہیں کہ مال نہیں لیتے نذرانے قبول نہیں کرتے، مگر وہاں بھی نیت خالص نہیں ہوتی، نہ لینے کے اندر بھی دنیاوی غرض ہوتی ہے کہ وقعت ہو عزت ہو، لوگ مستغنی سمجھیں، چونکہ اخلاص نہیں اس لئے ایسوں کے لینے میں بھی خرابی اور نہ لینے میں بھی خرابی۔

عوام کی یہ حالت ہے کہ مسجد بناتے ہیں فخر ومباہات کے لئے تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ یہ مسجد فلاں کی بنوائی ہوئی ہے اور اسی لئے آج کل لوگ کثرت سے مسجدیں بناتے ہیں باوجودیکہ ضرورت بھی نہیں، صاحبو! مسجدیں تو بعد میں بنائیے گا پہلے مسجد والے تو بناؤ، بہت سی مسجدیں آج کل ویران نظر آتی ہیں جن میں نہ اذان ہوتی ہے نہ جماعت۔

اسی طرح اکثر لوگ وعظ کے بعد مٹھائی تقسیم کرتے ہیں جس سے صرف نام ہی مقصود ہوتا ہے، قیمتی کپڑے پہنتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں بڑا بننے کے لئے، میں یہ نہیں کہتا کہ قیمتی کپڑے نہ پہنو، نہیں، خوب پہنو مگر نیت یہ ہو کہ اس سے ہمارا جی خوش ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی نعمت پر شکر کی توفیق ہوگی دوسروں کو دکھانے کی نیت نہ ہو یہ ناجائز ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر ہم تنہا ہوں تو دیکھ لیں کہ اسی زینت کے ساتھ اس وقت بھی ہوتے ہیں یا نہیں، ہم نے تو دیکھا ہے کہ تکلف والے گھر میں معمولی حالت سے بھی کمتر ہوتے ہیں، ہاں باہر جانے کے لئے ساری زینت کی جاتی ہے پھر یہ کیسے کہیں کہ دکھلاوا مقصود نہیں۔

دیکھو اگر عمدہ غذا کھانے کی عادت ہو تو تنہائی میں بھی عمدہ کھاؤ گے اور سب کے سامنے بھی، تو اگر عمدہ کپڑا پہننا اپنا جی خوش کرنے کے لئے ہے تو تنہائی میں اس کو کیوں اتارا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس نمائش کی بدولت ایسے کپڑے پہنتے ہیں کہ

جس سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً گرمی کے وقت گرم چکن، تو ریاء میں آخرت اور دنیا دونوں کا نقصان ہی ہے، باقی اگر قیمتی لباس پہننے کے ساتھ اس طرف التفات (توجہ) نہ ہو اور مالی گنجائش بھی ہو تو عمدہ لباس پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اکثر ایسا ہی دیکھا ہے کہ گنجائش والے کو لباس کی طرف زیادہ مشغولی نہیں ہوتی۔

یہ ذکر تھا نمائش لباس کا جس میں اکثر عوام مبتلا ہیں، علیٰ ہٰذا دعوت کرتے ہیں برادری کی اور اس میں حد سے زیادہ اسراف (فضول خرچی) کرتے ہیں جس سے صرف نام و نمود ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور جب علماء اس کو منع کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ علماء مباحات سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ مباحات سے نہیں روکتے، جہیز میں بے حد اسراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صلہ رحمی ہے حالانکہ اگر صلہ رحمی ہے تو چھپا کر کیوں نہ دے دیا، اگر صلہ رحمی میں اعلان ضروری ہے تو روزانہ سب کو دکھا کر اپنے بچوں کو کیوں نہ کھلایا پہنایا۔ یہ سب بہانے ہیں بلکہ یوں سننا چاہتے ہو کہ فلانے نے اپنے بیٹی کا جہیز بساط سے زیادہ دیا۔ حالانکہ یہ حماقت ہے مگر لوگوں کے مذاق کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ مذمت کو بھی تعریف سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں برادری کا کھانا فقط اسی واسطے ہوتا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں کہ فلانے نے کیا کھلایا تھا۔

غمی میں دیکھئے کہ زبان سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب کے لئے کھانا کھلاتے ہیں مگر امتحان یہ ہے کہ اگر اس شخص سے خلوت میں یہ کہا جائے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس مصرف میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس میں روپیہ دینے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جن کی تم دعوت کرتے ہو، یہ سب کھاتے پیتے غنی ہیں تم یہ دعوت کا روپیہ فلاں مدرسے یا مسجد میں دے دو یا فلاں آبرودار غریب آدمی کو چپکے سے دے دو اور اس کا ثواب میت کو بخش دو تو اب دیکھئے کہ اس شخص کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ کہے گا سبحان اللہ! روپیہ بھی خرچ ہو اور کسی کو خبر بھی نہ ہو، تو بتلایئے کہ یہ صاف ریاء ہے یا نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ سب دکھلاوے کے لئے کیا جاتا ہے جب یہ حال ہے تو ثواب کہاں سے ہوگا۔ اور جب اس کو ثواب نہ ملا تو میت کو کیا بخشے گا۔ کیونکہ ثواب پہنچانے کا خلاصہ تو یہ ہے کہ تم نے ایک نیک کام کیا اور جو ثواب تم کو اس کا ملتا وہ تم نے کسی دوسرے کو بخش دیا، اور جب یہاں یہ صفر ہے تو وہاں کیا بخشو گے۔

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ رامپور کے ایک شخص کسی جھوٹے پیر سے مرید ہو گئے کچھ دنوں کے بعد کسی نے ان سے پوچھا کہ کہو پیر صاحب سے کیا فیض پہنچا، یہ تھے صاف آدمی، کہا جب سقاوہ (مشک اور ٹنکی) ہی میں نہ ہو تو بدھنے (اور لوٹے) میں کہاں سے آوے۔

تو یہی صورت ہے ثواب ملنے کی پہلے کرنے والے کو ملتا ہے پھر وہ دوسرے کو دیتا ہے۔ تو جب اسی کو نہ ملا تو یہ کسی کو کیا دے گا، گویا سارا روپیہ ضائع گیا اور یہ تو سب دعوے ہی دعوے ہیں کہ ثواب کے لئے کھانا کھلاتے ہیں صرف برادری سے شرما کر کیا جاتا ہے اور لوگ اس کا زبان سے اقرار بھی کر لیتے ہیں۔ (ص ۳۹)

کیرانہ میں ایک گوجر بیمار تھا اس کا لڑکا حکیم صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حکیم جی! اس مرتبہ تو میرے باپ کو کسی طرح اچھا کر دو، مجھے اس بڈھے کے مرنے کا تو غم نہیں مگر آج کل چاول بہت گراں ہیں برادری کو کھانا کھلانا بہت مشکل ہوگا۔

وہ بے چارہ سیدھا تھا اس نے سچی بات کہہ دی ہم باوضع ہیں زبان سے ظاہر نہیں کرتے مگر دل میں سب کے یہی ہے۔ یہ تو کھلانے والوں کی حالت ہے باقی کھانے والے وہ تو پورے ہی بے حیا ہیں کہ ایسے غم میں بجائے ہمدردی کے الٹا اس پر بار ڈالتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

اہل باطن کا اخلاص

حق تعالیٰ کا ذکر کرنے میں اخلاص

یہ سب اہل ظاہر کے اخلاص کا ذکر تھا اور اہل باطن کا اخلاص یہ ہے کہ اصلی غرض ذکر وغیرہ سے محض رضائے حق ہو یعنی صرف یہ نیت ہو کہ اس سے خدا راضی ہوگا۔ اس کے خلاف جب کوئی نیت ہوگی گو وہ امر دنیوی نہ ہو مثلاً ثمرات باطنہ وہ اخلاص کے خلاف ہوگی۔

حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ''فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ'' کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا تو ہماری تو نیت ذکر کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہمارا ذکر ہوگا۔ یہ وہ غرض ہے کہ شیطان اس میں کسی قسم کا وسوسہ بھی نہیں ڈال سکتا کہ شاید حق تعالیٰ تم کو یاد نہ کریں، کیونکہ اس کا تو قرآن میں صریح وعدہ ہے، میں اسی تقریر کو دوسری طرح کہتا ہوں کہ ثمر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو موعودہ ہیں جیسے تمہارے ذکر اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تم کو یاد فرمانا، اس کا طالب ہونا تو مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے، دوسرے وہ جو موعود نہیں جیسے کیفیات واحوال اس کے طلب کرنے میں یہ کوتاہی ہے کہ جو موعود نہیں اس کا طالب کیوں ہے اور جب مطلوب نہیں تو مقصود کیوں بنایا جائے، حاصل یہ کہ اور غرضوں کو کامل جانا یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے۔

بہرحال اخلاص کی حقیقت تو سمجھ میں آ گئی کہ کوئی غرض نفسانی اپنی نہ ہو، صرف رضائے حق مطلوب ہو۔ (ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضا ص ۴۱، ۴۲)

باب ۵

ریا سے متعلق چند مکاتیب

ریاء کی حقیقت

سوال: ریاء کی حقیقت دکھلاوٹ ہے خواہ عبادت جسمانی میں ہو یا مالی میں جس میں طلب اعزاز دین من غیر اللہ ہوتا ہے اور شعبۂ کبر ہے۔

تحقیق: ریاء کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جائے یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جاوے اب اس کو بغور سمجھ کر ظاہر کیا جائے کہ اپنے نفس میں اس کا وجود ہے یا نہیں۔

(**سوال**) بعض اوقات تنہائی کے نہ ملنے کی وجہ سے ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے اور خیال آتا ہے کہ ریاء نہ پیدا ہو جائے ایسے موقعہ پر نہایت دھیمی آواز سے ذکر کر لیتا ہوں۔

تحقیق: مناسب ہے اور ریاء کسی کو لپٹتی تھوڑا ہی پھرتی ہے وہ تو قصد سے پیدا ہوتی ہے اور جو بلا قصد ہو وہ ریاء نہیں صرف وسوسۂ ریاء ہے اور وسوسہ کفر کا بھی مضر نہیں چہ جائے کہ وسوسۂ ریاء۔ (تربیت السالک ص ۲۴۵)

ریا کے احتمال اور وسوسہ کی بنا پر عمل کو نہ چھوڑیں

سوال: اکثر ریا کاری کے احتمال پیدا ہوتے ہیں، خود نفس میں دکھلاوٹ کے خیالات پیدا ہوتے ہیں ایسی صورت میں اگرچہ ابتداءً ہمارا خیال ریا کا نہ ہو اور

عمل کے وقت میں اس قسم کے وسواس پیدا ہو جائیں تو ترک عمل اولیٰ ہے یا اپنے معمول پر ثبات اولیٰ ہے۔

الجواب: ثبات اولیٰ ہے، ریاء کو دل سے برا سمجھ کر حتی الامکان ان کو دفع کرنا کافی ہے۔ ص:۳۶۳ (النورص۱۵۴)

سوال: دوم یہ کہ بعضے اعمال میں ریاء ہوتی ہے بعض میں تو صراحۃ دل سے اور بعض میں نفس کہتا ہے کہ یہ کام کرو تا کہ لوگوں کے درمیان عزت ہو اور دل اس کی تردید کرتا ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ ہو، اس کے ازالہ کی بھی دواء شافی تحریر فرمادیں۔

جواب: بس اپنی طرف سے قصد اللہ کے لئے کرلیا، اور عمل کرلیا عمل نہ چھوڑیں۔ (النورص۲۴۳)

حال: پیشتر درحالت عبادت خیال ریاء ہرگز نمیداشت اگرچہ برملا مے کردم اکنوں اگر شخصے درحالت نماز تہجد یا ذکر اللہ وغیرہ درآید فوراً خیالے پیدا مے شود کہ ایں بر بندہ گماں نیک مرد خواہد کرد مگر معاتر دیدش بدیں طور میکنم کہ مرا نفس خود معلوم است بجز ناپا کی چہ دارد و آنچہ بندہ میکند از عبادت وغیرہ عام مردمان میکنند۔

تحقیق: پس دریں حالت ریاء نیافتہ شدہ وسواس نیارند۔ (تربیت السالک ص۳۶۳)

ریا کی حقیقت اور اس کے ۲دو درجے

سوال: اپنے اور مرض کی طرف حضور کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کا بھی علاج حضور کی توجہ اور حضور کی ہدایات اور تدابیر سے ہو جائے یہ مرض مرض ریاء ہے اکثر لوگوں کے ساتھ سلوک اس وجہ سے کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میری تعریف کریں اور جس شخص کے متعلق علم ہو جاتا ہے کہ وہ میری تعریف کرنے والا ہے اس کے ساتھ اور سلوک اور احسان کرنے کو جی چاہتا ہے اور کرتا ہوں اور نہایت ادب اور اخلاق سے اس سے پیش آتا ہوں بعض اوقات صرف اسی خیال سے کہ وہ مجھ کو برا نہ سمجھے اور لوگوں میں تعریف کرے بعض اوقات بخل کے خوف سے بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہوں کہ بخل کی عادت نہ ہو جائے مگر فوراً اسی وقت اس کا خیال بھی دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ فلانے شخص کو یہ چیز بھیج دوں تا کہ میری تعریف کرنے والا بنا رہے سمجھ کام نہیں کرتی کہ کون سی عادت قابل ترک ہے، احسان وسلوک بایں خیال کہ تعریف ہو یا بخل بایں خیال کہ کسی کے ساتھ احسان نہ کروں، ریاء کی کیفیت یہ ہے کہ بعض اوقات صرف اس خیال سے کوئی بات کرتا ہوں کہ مخاطبین کو معلوم ہو کہ بڑا مذہبی آدمی ہے اور بعض اوقات اس خیال سے کرتا ہوں کہ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ایک مجمع میں صرف دنیا کی باتیں ہوں تو وہ باتیں وبال ہو جاتی ہیں اگر اس مجمع میں دینی باتیں ہو بعض اوقات کسی مجمع میں اگر دیکھتا ہوں کہ غیبت زیادہ ہوتی ہے اور اس مجمع میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ غیبت کرنے میں ان کو باوجود اس کے وعید کے علم کے اس سے عار نہیں ہے تو ان کو چند حدیثیں سنا دیتا ہوں تا کہ وہ اس سے بچیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میری برائی یا میرے متعلقین کی برائی اور لوگوں سے نہ کریں بعض اوقات اگر کوئی اچھا عمل یا کوئی سلوک واحسان یا کوئی عبادت کرتا ہوں تو ظاہراً اس امر کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو میری زبان سے میری اچھی بات معلوم نہ ہو جائے مگر در پردہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی اور طریقہ اور کسی اور ذریعہ سے لوگوں کو علم ہو جائے، مثلاً آج کل قضاء کے روزے رکھ رہا ہوں زبان سے قصداً کسی سے کہنا نہیں چاہتا ہوں

مگر در پردہ یہ بھی خواہش ہے کہ جن لوگوں کو مجبوراً معلوم ہو گیا ہے ان کے ذریعہ سے اور لوگوں کو بھی جن کو اس وقت تک علم نہیں ہے معلوم ہو جائے اور وہ لوگ مجھ کو نہایت پرہیز گار اور متقی سمجھیں حالانکہ جیسا حضور کو علم ہے کہ تقویٰ کے قریب بھی میں اب تک نہیں پھٹکا ہوں۔ ان سب معاملات کی جو ذہن میں آرہے تھے حضور کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا تاکہ میرے تمام امراض کا علاج ہو جائے۔

جواب: اس تقریر میں جتنے اعمال حسنہ ومحمودہ وطاعات لکھی ہیں ان کو تو کسی حال میں نہ چھوڑیئے اگر چہ ریاء کا خیال بھی آئے، اس خیال کو دفع کرنا چاہئے اور اگر دفع نہ ہو تو اس کو برا ہی سمجھنا چاہئے یہ تو اس سوال کا جواب ہے کہ کون سی عادت قابل ترک ہے۔

اب اس کی تحقیق باقی رہی کہ ریاء کا کون سا خیال مذموم ہے اور کون سا غیر مذموم؟ سو اس میں اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ریاء کی حقیقت کیا ہے سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس کا قصد مصمم کرنا اور عمل خاص اسی قصد سے کرنا کہ مخلوق راضی ہو جائے تو یہ تو عمل ریاء ہے اور یہی حرام اور گناہ ہے اور اس کا دفع بہت سہل اور اختیاری ہے یعنی اس کا قصد نہ کرے، اور ایک درجہ یہ ہے کہ اس کا قصد مصمم (یعنی پختہ ارادہ) تو نہیں ہے یا تھا مگر اس کو دفع کر دیا لیکن خیال اور وسوسہ اور حدیث النفس بار بار عود کرتا ہے اور یہ شخص اس کو برا سمجھتا ہے اور بالکلیہ دفع کرنا چاہتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا، سو یہ درجہ امر طبعی ہے اور یہ ریاء نہیں وسوسۂ ریاء ہے جو نہ معصیت ہے نہ مضر اور نہ اس کا ازالہ واجب ہے اور اس کا ازالہ دشوار بھی ہے حتیٰ کہ قریب قریب غیر اختیاری ہے پس اب اپنا حال دیکھا جائے اور فیصلہ کیا جائے۔ (تربیت السالک ص ۳۶۲)

ریاء کی حقیقت اور اس کے ازالہ کا طریقہ

سوال: میری طبیعت یہ چاہتی ہے کہ جو حضور کا سادہ طریقہ دنیوی معاملات میں مثلاً کپڑا پہننے وکھانے وغیرہ میں ہے میں بھی اپنا مشرب اسی کے موافق بنا کر اس حدیث کا مصداق ہو جاؤں **من تشبہ بقوم فھو منھم** مگر یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر آپ کے جیسے کپڑے اور ٹوپی وغیرہ پہنیں تو شاید لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ حضرت مولانا سے (یعنی حضور سے) بیعت ہے اور یہ ان کا خیال میرے لئے ریاء کا باعث ہو جائے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں کہ میں حضور کی محبت کی وجہ سے جیسی حضور کی ٹوپی ہے اور لباس وغیرہ ہے اگر میں ایسا پہنوں تو ریاء تو نہیں ہو جائے گی۔

جواب: ریاء بدون قصد ریاء نہیں ہوتی جب آپ کی نیت اچھی ہے یہ ریاء نہیں۔ (تربیت السالک ص ۲۷۰)

کون سی ریاء (یعنی دکھلاوا) مذموم ہے؟

سوال: دیگر گذارش یہ ہے کہ اس خاکسار کو جو خطرہ لاحق ہوا ہے اسے بغرض اصلاح خدمت عالی میں عرض کرتا ہے وہ خطرہ یہ ہے کہ حضور والا نے فرمایا ہے کہ چند روز کام کر کے دکھلا دو اگر باقاعدہ کام دیکھوں گا اطمینان ہو جائے گا اس میں خاکسار ناقص العقل والعلم کو ظن ریاء کا ہے، کیونکہ دکھلانے کا قصد پہلے سے موجود ہو گا لہٰذا اس کے متعلق تشفی بخش ارشاد سے سرفرازی بخشی جاوے تا کہ صفائی قلب کے ساتھ تعمیل ارشاد عمل میں آوے۔

تحقیق: اس دکھانے سے مقصود دنیا ہوگی یا دین؟ ریاء وہ ہے جو دنیا کی غرض سے کسی کو عمل دکھلایا جاوے اور یہ جواب علی سبیل تنزل ہے ورنہ حقیقت میں یہاں خود عمل ہی اس نیت سے نہیں ہوتا کہ فلاں کو اطلاع ہو عمل تو اللہ ہی کی رضا کے لئے ہوتا ہے پھر بعد صدور عمل کے اپنے معلم کو آئندہ کی مصلحت دینیہ کے لئے اس عمل کی اطلاع کی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن حفظ کرنے والا قرآن تو ثواب ہی کی نیت سے یاد کرتا ہے لیکن سبق یاد کر کے استاد کو یاد کی اطلاع اس طرح کرتا ہے کہ اس کو سناتا ہے تاکہ یہ آئندہ خوش ہو کر تعلیم کرے اور ریاء میں خود عمل سے غرض نمایش ہوتی ہے اور یہاں عمل سے غرض رضائے حق ہے اور اطلاع کا قصد مستقل ہے وہ یہی دین کے لئے۔ (النور ص ۶۲۶)

سوال: جب معمولات ادا کرتا ہوں تو **اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ** اور اخلاص وغیرہ کے لئے دربار خداوندی میں دعاء کر کے شروع کرتا ہوں۔ اور درمیان میں کچھ تو جوش خروش کی وجہ سے کچھ اس وجہ سے کہ حضرت نے وعظ میں فرمایا تھا کہ جب میں طالب میں طلب دیکھ لوں تو ضرور توجہ کروں گا، آواز بلند ہو جاتی ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ عمل خلاف اخلاص ہے یا نہیں اگر ہے تو اصلاح فرما دیں۔

تحقیق: مقوی اخلاص ہے انشاء اللہ تعالیٰ (تربیت السالک ص ۳۶۳)

اپنے عمل کو زیادہ چھپانے کا اہتمام بھی ریاء میں داخل ہے

سوال: ہر وقت یہی دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کرتا رہوں ایک لمحہ اس ذکر سے غافل نہ رہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کسی پر یہ بات ظاہر نہ ہونے پاوے جہاں

تک موقع ملتا ہے اس ذکر سے غافل نہیں رہتا۔

تحقیق: اس کی کوشش ضروری نہیں کہ کسی پر اظہار نہ ہو بعض اوقات اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام ہی چھوٹ جاتا ہے محققین نے کہا ہے کہ جیسے اظہار کا اہتمام ریاء ہے اخفاء کا زیادہ اہتمام بھی کہ ایک قسم کا ریاء ہے کہ مخلوق پر نظر تو ہوئی جب تو ان سے مخفی کرنا چاہتا ہے، اس میں روح ریاء کی بھی ہے، بس اپنے کام میں اخلاص کے ساتھ مشغول رہنا چاہئے محبوب کو اختیار ہے خواہ ظاہر کر دیں یا مخفی رکھیں۔

(تربیت السالک ص ۲۴۵)

یہ اخلاص نہیں شیطان کا دھوکہ ہے

سوال: ریاء کے متعلق ایک حال یہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اچھی طرح کریں، مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریاء ہے ایسے وقت میں یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں اور اس کام کو کئے جاتا ہوں، اور نیت حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں تو کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ نیت کے پھیر لینے سے خلوص رہے گا یا نہیں۔؟

تحقیق: میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح مقصود بالذات نہیں مقصود بالذات تحسین عمل الخلق ہے اور تصحیح نیت اس تحسین کا آلہ تاکہ غائلۂ ریاء سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جائے تو جس اخلاص سے تحصیل ریاء مقصود ہو وہ مقدمہ ریاء ہونے کے سبب ریا ہی ہے اس صورت میں ریاء سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرہ کے بعد عمل میں

تغیر نہ کرے اور اس کے ساتھ نیت خالص رکھے مجھ کو معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے، اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں، ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں۔ فقط

(تربیت السالک ص ۲۴۴)

ریاء کے ہونے نہ ہونے کا ایک معیار

سوال: ایک خیال مجھ کو یہ ہوتا ہے کہ جلسہ میں کچھ واجبات تجوید کا بیان بھی ہونا چاہئے جس سے تجوید کا شوق ہو اور حفظ قرآن یا تجوید کا شوق ہو اگرچہ یہاں پر اس کے موافق کثرت سے ہیں مگر مجھ کو اس خیال میں یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ اپنی نمود مجھ کو معلوم ہوتی ہے اگرچہ یہ تمام کارروائی جلسہ، وعظ، اللہ واسطے ہے مگر نمود کی حدیث میں برائی آئی ہے یہ میرا خیال اس حدیث کے موافق تو نہیں ہے اگر ہو تو حضور اس کا علاج فرمادیں، کیونکہ بغیر اس خیال کے آئے کچھ بن نہیں پڑتا۔

تحقیق: یہ سوچئے کہ اگر جلسہ کے بعد ذرا بھی آپ کی مدح یا قدر نہ ہو تو آپ جلسہ سے خوش ہوں یا نہیں، اگر خوش ہوں تو نمود کا محض وسوسہ ہے، مضر نہیں اور اگر خوش نہ ہوں تو پھر علاج پوچھئے۔ (تربیت السالک ص ۲۴۴)

(تمت)

امت کے باہمی اختلافات

اوران کا حل (۱)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل و نقل کی روشنی میں
علماء و مشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

مدارس کے باہمی اختلافات
اور ان کا حل

علماء و مشائخ اور دینی مدارس و خانقاہ اور ملی تنظیموں و تحریکوں
اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب
محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

امت کے مختلف طبقات کے
باہمی اختلافات اور ان کا حل

افراد اور مسلم معاشرہ اور مختلف جماعتوں اور سیاسی تحریکوں
نیز ہندو مسلم کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب
محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

علمی و تحقیقی کام

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اس قدر مفید بلکہ نہایت اہم کام کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ اس کے لئے خداوندی رہنمائی اور ذکاوت نافعہ کے بغیر آمادگی نہیں ہوسکتی تھی یہ محض اللہ کا فضل ہے، ہوسکتا ہے کہ ناواقف کی نظر میں یہ کام اتنا اہم نہ ہو جتنا فی نفسہ ہے لیکن حقیقۃً کسی بڑے تحقیقی و علمی کام سے کم اہم نہیں۔ (مولانا برہان الدین صاحب مدظلہٗ)

مشکل ترین کام، ترتیب نہیں تصنیف

تمہاری کتابوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی یہ آسان کام نہیں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا، ان کا فن اور موضوع مقرر کرنا، پھر ان کی ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے، یہ کتابیں محض تمہاری ترتیب نہیں بلکہ تصنیف ہیں، اللہ کا شکرادا کرو۔

(حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور)

اہم اور نافع کام

اہم اور نافع کام کی توفیق آپ کو منجانب اللہ ملی، مسرت ہے، بارک اللہ و تقبل اللہ ۔(خود بھی) منتفع ہوا، طلبہ اور اہل علم کو یہ مضامین سنائے گئے۔ (مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ)

چشمۂ فیض

مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا زید صاحب زید مجدہم نے محنت شاقہ برداشت کر کے بکھرے ہوئے مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خاص طور پر طلباء اور اہل مدارس کو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری)